

گھر کی بچہ

سباں گل

بولے ماں باپ کے لیے کسی کے پاس وقت نہیں ہوتا۔
تو چند فرصت نہ محبت مجھ ابا ماں جان کی اہمیت ہوتی
ہے۔ بولے والدین اس ان کی نظروں میں غائب تھے کی
طرح ہو جاتے ہیں۔ اپنی مستہ دیا دہائی کرتے سامان
کی طرح۔ چہ نگاہ و سانس لیتے ہیں اس لیے۔ وقت
کی روٹی دے کر وہ سمجھتے ہیں کہ اپنا فرض ادا کر دیا۔ ماں
باپ کی ہر ضرورت پوری کر دی۔

”اسی لیے آپ اور دادا پندوں اور پودوں سے باتیں
کرتے ہیں۔“ منال نے قدرے شرمندہ ہو کر کہا تو وہ اس
کی طرف دیکھ کر مسکرا کر بولیں۔

”اور کیا کریں ہم بڑھے؟ بات کرنے کے لیے بات
کرنے والا نہ ہو تو بات نہیں ہوتی۔ ہم بڑھا بڑھی آپس
میں سو باتیں کر لیا کرتے تھے۔ یہاں قے پانی کہانیاں
زندگی میں ساتھ گزرے لمحوں کی یادیں تازہ کرتے ہمارا
وقت بھی اچھا گزر جاتا تھا اور ہمیں یہ احساس بھی ایک
دوسرے کے اور قریب کر دیتا تھا کہ۔ ہم نے زندگی کی
دھوپ چھاؤں سرد گرم اور خوشی تنہائی نرمی دکھ سکھ خوشی غمی
سب ایک ساتھ دیکھا اور سمجھا ہے۔ سب ایک دوسرے کی
سنت میں برتا ہے ایک دوسرے کی ہمراہی میں سارا سفر
طے کیا ہے۔ بس یہی احساس ہمیں خوشی سے دوچار کر دیتا
تھا۔ ہمارے دلوں میں ایک دوسرے کے لیے محبت مزید
گہری کر دیتا تھا۔ حالات کیسے بھی ہوں اپنے یا میرے
آپ کا مسٹر آپ کے ساتھ مضبوط چٹان بن کر کھڑا رہے
اس سے بڑی کمائی کیا ہو سکتی ہے کسی بھی رشتے کی؟“

”دادی..... آپ دادا کو بہت یاد کرتی ہیں ناں؟“
منال نے مسکراتے ہوئے سوال کیا دادی کے چہرے پر
اچھی یادوں کی دھنک اور جدائی کی کک واضح نظر آئی
اسے وہ بے گل سی ہونے لگی۔

”نہیں تو.....“ نسیم بیگم بولیں۔ ”وہ کبھی بھولتے ہی
نہیں تو یاد کیوں کروں گی بھلا؟“

”یو آر گرینڈ دادی جان۔“ منال نے ان کے گلے
میں ہاتھیں ڈال کر کہا۔

”دادی..... یہ آپ روز ایک دانہ گندم کا کیوں ڈال
دیتی ہیں گلک میں؟ اور جمعہ کے جمعہ سات دانے چڑیوں
کے ڈال دیتی ہیں ایسا کیوں؟“ منال نے نسیم بیگم کو
حسب معمول چڑیوں کو دانہ ڈالتے دیکھ کر پوچھا تو وہ اداس
اور کھوئے ہوئے لہجے میں بولیں۔

”میں روز ایک دانہ نہیں ڈالتی اس گلک میں بلکہ وہ
دن ڈالتی ہوں اس میں جو تمہارے دادا کے بغیر گزرتی
ہوں اور پھر جمعہ کو وہ سات دانے چڑیوں کو کھلا دیتی ہوں
تمہارے دادا کے صدقے کے طور پر کہ چڑیاں کھاکے ان
کی صحت و سلامتی کی دعا کریں گی۔“

”اور وہ جو ایک سکہ اس گلک میں ڈالتی ہیں وہ؟“
”وہ روز کا ایک روپیہ بھی تمہارے دادا کا صدقہ
دیتی ہوں۔“

”اس جمعہ دن کو آئی مین کوڑے والی کو؟“ منال نے
حیرانگی سے پوچھا۔

”وہ کوڑے والی کہاں ہے وہ تو صفائی والی ہے کوڑے
والے تو ہم ہیں جو کوڑا پھیلاتے ہیں اور وہ صفائی کرتی
ہے۔ میں اسے وہ سات روپے دے دیتی ہوں جمعہ کے
جمعہ وہ بھی ڈھیروں دعائیں دے جاتی ہے مجھے تمہارے
دادا کو چند سکوں میں لاکھوں کروڑوں کی دعائیں دے
جاتی ہے نصیب (جمعہ دن)۔“

”گندم کے دانے اور کرنسی کے سکے آپ دادا جی کے
نام سے دیتی ہیں ادہ مائی گاڑ..... دادی آپ اتنی زیادہ
محبت کرتی ہیں دادا جان سے؟“ منال نے حیرانہ نظروں
سے انہیں دیکھا۔

”اس عمر میں محبت گہری ہو جاتی ہے بچے چھوڑ کر چلے
جاتے ہیں یا اپنے بیوی بچوں میں ملن ہو جاتے ہیں

اسلام علیکم!

ہمیں اپنے Blog Kitabdost

<http://kitabdostpk.blogspot.be>

اور readingpoint

<http://readingpointpk.blogspot.be>

کے لیے لکھاریوں کی ضرورت ہے جو ہمارے لیے ناولز

لکھ سکیں جو خواتین و حضرات شوقین ہیں وہ

ہمیں اپنی تحریر (ناول، ناولٹ، افسانہ قسط وار ناول)

اس میل آئی ڈی پہ سینڈ کر سکتے ہیں

maisrasultan@gmail.com

فیس بک پہ بھی اس میل کے ذریعے رابطہ کریں



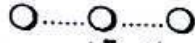
”آپ اور دادا جان کی میرج لائف ہم جیسے یتگرز کے لیے مشکل راہ ہے اگر ہم سمجھیں تو..... بٹ سوئیڈ دادی جان آپ کے تو اپنے بیٹوں نے آپ دونوں میاں بیوی کو ایک دوسرے سے الگ کر دیا۔ زخم جدائی دے دیا کتنی تکلیف دہ بات ہے ناں دادی۔ ماں باپ اپنی دس اولادیں بھی اپنا پیٹ کاٹ کر خوشی خوشی محبت سے پال لیتے ہیں خود بھوکا رہ کر اولاد کا پیٹ بھرتے ہیں خود بے آرام رہ کر اولاد کے آرام کا بندوبست کرتے ہیں لیکن اولاد ماں باپ کو ایک ساتھ نہیں پال سکتی ان کی ضروریات کا خیال نہیں رکھ سکتی۔ مہنگائی بہت ہے گھر میں ماں باپ کے لیے جگہ نہیں ہے۔ اخراجات بہت زیادہ ہیں اور نہیں تو ماں باپ کی مختلف عادات کو بہانہ بنا کر اپنے روزمرہ امور میں دخل اندازی نصیحت مشورہ یا بات تک اولاد کو ناگوار گزرنے لگتی ہے اور یہی چیزیں بنیاد بنا کر ماں باپ کا بھی ہزارہ کر دیا جاتا ہے انہیں ایک دوسرے سے جدا کر دیا جاتا ہے افسوس صد افسوس۔“

منال نے تاسف بھرے لہجے میں تنجیدگی سے کہا تو نسیہ بیگم کو اپنی بائیس سالہ پوتی پر بہت حیرت ہوئی انہیں اندازہ نہیں تھا کہ وہ اس بارے میں اتنی حساس ہے حقیقت اور حالات کا ادراک رکھتی ہے۔

”ہاں بیٹی افسوس ہی کیا جاسکتا ہے اس سب پر احساس کیا جاتا تو یہ سب نہ ہوتا ہم بڑھا بڑھی کے ساتھ۔“ نسیہ بیگم گہرا سانس لے کر کرب آمیز لہجے میں بولیں۔

”تمہارے دادا کی پنشن میں ہم دونوں جی گزارہ کر لیتے دو وقت کی روٹی ہی تو کھاتے بیٹے کے گھر سے ایک کمرے میں ہم دونوں پڑے رہتے۔ اتنے کون سے خرچے تھے ہمارے کہ کوئی بیٹا ہم دونوں کو ایک ساتھ اپنے گھر میں رکھنے کو تیار نہیں تھا۔ سال ہونے لگا یا اس جدائی کو ایک ہی شہر میں رہتے ہوئے مہینوں ہماری ملاقات

بیٹھ کے روتی رہنا۔“ نسیہ بیگم نے اسے فوراً منع کرتے ہوئے اذیت ناک لہجے میں کہا۔
 ”روئیں ہمارے دشمن، یہ سب مزید ایسے نہیں چلے گا وادی۔“ منال نے پرسوج انداز میں کہا اور وہاں سے چلی گئی۔ نسیہ بیگم کو تشویش لاحق ہونے لگی کہ نجانے وہ کیا کرنے والی ہے؟



وحید حسین اور نسیہ بیگم کا تعلق متوسط طبقے سے تھا۔ نسیہ بیگم اپنے وقتوں کی میٹرک پاس تھیں اور ایک مڈل اسکول میں شوقیہ پڑھایا کرتی تھیں۔ وحید حسین ان کے ماموں زاد بھائی تھے۔ ڈبل ایم اے کرنے کے بعد انہیں کالج میں ملازمت مل گئی تھی اور وہ طلباء کو نفسیات پڑھایا کرتے تھے۔ وحید حسین سے شادی کے بعد نسیہ بیگم نے اسکول کی ملازمت چھوڑ دی تھی اور اپنی ساری توجہ اپنے گھر، شوہر اور سسرال پر مرکوز کر دی تھی۔ شادی کے پہلے سال انہیں اللہ تعالیٰ نے خوب صورت اور صحت مند بیٹے سے نوازا۔ جس کا نام انہوں نے اپنے والدین کی مرضی سے ولید حسن رکھا۔ ڈیڑھ برس بعد نسیہ بیگم کو اللہ نے نوید کی صورت میں ایک اور بیٹا عطا کیا۔ ان کی خوشیوں کا کوئی ٹھکانہ نہیں رہا۔ ان کی فیملی مکمل ہو گئی تھی۔ نسیہ بیگم کو بیٹی کی خواہش تھی وحید حسین انہیں سمجھایا کرتے کہ بیٹوں کی شادیاں ہوں گی تو گھر میں بہوئیں آجائیں گی انہیں اپنی بیٹی مان لیجیے گا۔ نسیہ بیگم بھی اسی خیال سے خوش ہو جایا کرتیں۔ وقت گزرتا گیا وحید حسین اور نسیہ بیگم نے اپنی اولاد کی تعلیم و تربیت میں کبھی غفلت نہیں برتی، بیٹوں کی ہر چھوٹی بڑی ضرورت اور خواہش کو پورا کیا۔ انہیں اعلیٰ اسکول، بہترین کالج اور شاندار یونیورسٹی میں تعلیم دلوائی۔ وحید حسین نے ٹیوشن بھی پڑھائی تاکہ ان کے بیٹے اعلیٰ تعلیم حاصل کر کے اعلیٰ عہدوں اور اونچے مقام پر فائز ہوں اور ان کے ساتھ ساتھ ملک کے لیے فخر کا باعث بنیں۔ ولید اور نوید انجینئر اور چارٹرز اکاؤنٹنٹ بن گئے۔ ان کی شادی بھی ان کی پسند کی لڑکیوں سے کرائی گئیں کہ

نہیں ہو پاتی۔ ان کی (دادا) صحت دن بدن گرتی جا رہی ہے۔ نفل (پوتا) بتا رہا تھا کہ دادا تو کھانا بھی کبھی کھاتے ہیں کبھی سارا دن بھوکے رہتے ہیں۔ اب تم ہی بتاؤ بیٹی اس بڑھاپے میں وہ کھانا نہیں کھائیں گے بھوکے رہیں گے تو کمزوری اور بیماری نہیں آن گھیرے گی انہیں؟“

”ٹھیک کہہ رہی ہیں آپ۔“ منال نے سر ہلا کر کہا۔
 ”نہ میں ان کے پاس جا کے رہ سکتی ہوں کہ ان کا خیال رکھ لوں کیونکہ بہو بیٹا ناراض ہوں گے برا منائیں گے کہ کیا ہم اب جی کا خیال نہیں رکھتے؟ آپ کو ہم پر بھروسہ نہیں ہے۔ نہ ہی تمہارے دادا یہاں آ سکتے ہیں کہ یہاں بھی بہو بیٹے کو اعتراض ہوگا باپ کے لیے جگہ اور خرچہ نہیں ہے ان کے گھر میں۔ سو دونوں جیب سادھے اپنی اپنی مقرر کردہ حدود میں قید ہیں۔“ نسیہ بیگم نے ہنرمندانہ لہجے میں کہا ان کا دل بہت دکھی ہو رہا تھا۔ جیسی آج پونی کے ایک سوال پر دل میں سلگتی دکھ کی بھڑاس اس کے سامنے نکال دی۔ منال نے دل سے ان کا دکھ درد اور کرب محسوس کیا تھا۔ پہلی بار اسے احساس ہو رہا تھا کہ دادا وادی کے ساتھ کتنا غلط ہو رہا ہے وادی کے چہرے پر دکھ اذیت اور بے بسی کی جھریاں کتنی گہری ہو گئی تھیں یہ اسے آج نظر آیا تھا۔ ان کے کمزور دل کو شریک حیات کی جدائی اپنی زندگی میں ہی سہنا پڑ رہی تھی۔ اس سے بڑا سانحہ اور کیا ہو سکتا تھا ان کے لیے؟“ منال کی آنکھوں میں دکھ سے آنسو آ گئے وہ ایک دم سے وادی کے گلے سے لگ گئی۔

”وادی جان..... آپ دکھی مت ہوں ان شاء اللہ سب ٹھیک ہو جائے گا اور میں یہ سب نہیں دیکھ سکتی آپ کے ساتھ اچھا نہیں کیا پاپا تایا نے میں بات کروں گی ان سے۔“

”نہ بیٹی تم ایسا کچھ نہیں کرو گی۔ خاموش جھیل میں کنکر پھینکو گی تو طوفان آجائے گا اور اب ہم بوڑھوں میں اتادم نہیں ہے کہ کسی طوفان کا سامنا کر سکیں۔ دم نکلنے سے پہلے ہی دم نکلنے کی اذیت تو ہم دونوں ہی سہہ رہے ہیں۔ مزید کوئی بار پڑا تو چاروں شانے چت ہو جائیں گے اور تم

وحید حسین اور نسیم بیگم کو اپنے بیٹوں کی ہر خوشی اور خواہش عزیز تھی۔ جب تک وحید حسین کالج میں جاب کرتے رہے گھر کے اخراجات وہی چلاتے رہے۔ ریٹارمنٹ کے بعد ولید اور نوید گھر کا خرچہ چلانے لگے تو آئے روز گھر میں جھگڑا ہونے لگا۔ کبھی بچگی کا بل زیادہ آنے پر ایک دوسرے کو الزام دیا جاتا تو کبھی پسند کا کھانا نہ پکنے پر طعنے دیے جاتے۔ گاڑی ایک تھی اس پر بھی جھگڑا رہتا کہ ولید کو ضروری جانا تھا کہیں تو نوید گاڑی لے کر چلا گیا۔ کھانے کی میز پر ایک دوسرے سے گلے شکوے کیے جانے لگے۔ روز کوئی نہ کوئی بنا کھانا کھائے میز سے اٹھ کر چلا جاتا اور نسیم بیگم اور وحید حسین دل مسوس کر رہ جاتے۔ ولید اور افشاں کے دو بیٹے تھے بڑا بیٹا نونل جو ان دنوں انجیرنگ یونیورسٹی میں آخری سال کی تعلیم جاری رکھے ہوئے تھا اور انس جو ایف سی کا طالب علم تھا۔ نوید اور فریال کے دو بچے تھے بڑی بیٹی منال جو ماس کمیونیکیشن میں ماسٹرز کر رہی تھی اور اس سے تین سال چھوٹا حمزہ تھا جو فرسٹ ایئر پری میڈیکل کا اسٹوڈنٹ تھا۔ بچے بڑے ہوئے تو اخراجات میں بھی اضافہ ہو گیا تھا۔ تعلیمی اخراجات کافی زیادہ تھے۔ اب تک نوید اور ولید گھر کے اخراجات سے بے فکر تھے اپنی تنخواہ اپنے ہی بینک اکاؤنٹ میں جمع کر رہے تھے یا اپنی اور اپنے بچوں کی ضروریات پر خرچ کرتے تھے۔ بچگی، گیس، ٹیلی فون کے تمام بلز مکان کا ٹیکس گاڑی کا پیٹرول اور مہینے بھر کا راشن گھر کا خرچہ سب کا سب وحید حسین ہی اٹھا رہے تھے۔ مگر اب جب سے بیٹوں نے یہ بار اٹھایا تھا تب سے ہر چیز کا بیزا ہی غرق ہو گیا تھا۔

ایک دن جھگڑا اتنا بڑھا کہ ولید اور اس کی بیوی افشاں نے الگ گھر لینے کا شوشا چھوڑ دیا۔

”الگ گھر.....“ وحید حسین اور نسیم بیگم یہ سن کر سکتے میں آ گئے۔ انہوں نے کتنے پیار سے یہ گھر بنایا تھا تاکہ سب یہاں ایک چھت کے نیچے جل کر ہنسی خوشی زندگی بسر کریں..... مگر یہاں تو زندگی ہی تنگ ہوتی جا رہی تھی۔

ساتھ کا خیال ہی اب تو خام دکھائی دے رہا تھا۔

”جی ہاں ہم الگ رہیں۔ یہی ہم سب کے لیے بہتر ہوگا نوید اپنی فیملی کا خرچہ اٹھائے میں اپنی فیملی کو دیکھوں گا یوں یہ روز روز کا جھگڑا اور ہر وقت کی کل کل بھی ختم ہو جائے گی۔“ ولید نے بے دھڑک ہو کر کہا۔

”ہاں یہی بہتر ہے میں اپنے بیوی بچوں کا خرچ اٹھانے کا ذمہ دار ہوں کتنا کہاں خرچ کرنا ہے کیسے استعمال کرنا ہے یہ الگ رہیں گے تو سمجھ میں آ جائے گا۔“ نوید نے بھی بھائی کی تائید میں زبان کو حرکت دی تھی۔

”اور ہم میاں بیوی کہاں جائیں گے؟ ہم نے سوچا تھا کہ ہمارے بچے اور ان کے بچے اس گھر میں رہیں گے اکٹھے ایک دوسرے کے دکھ سکھ میں ساتھ ہوں گے۔“ وحید حسین دکھ بھرے لہجے میں بولے۔

”ابا جی..... اب یہ ممکن نہیں رہا ہر روز خرچے پر جھگڑے ہوں اس سے اچھا ہے کہ ہم یہ گھر بیچ کر الگ الگ گھر خرید لیں۔“ ولید نے کہا تو وہ دکھ سے بولے۔

”کیا.....! تم یہ گھر بیچ کر اپنا الگ گھر بنانا چاہتے ہو؟“

”ظاہر ہے ابا جی ہمارے پاس تو اتنا سرمایہ نہیں ہے کہ ہم اپنے لیے الگ گھر خرید سکیں، آپ یہ گھر بیچ کر ہمیں ہمارا حصہ دے دیں تاکہ ہم اپنا الگ بندوبست کر لیں۔“ نوید نے تیزی اور رکھائی سے کہا تو نسیم بیگم دکھی لہجے میں بولیں۔

”اور ہم دونوں کہاں جائیں گے؟“

”آپ دونوں ہمارے ساتھ ہی جائیں گے کیوں ولید بھائی؟“ نوید نے ولید کی طرف دیکھتے ہوئے اپنی بات کی تصحیح چاہی۔

”ہاں..... آپ دونوں ہمارے ساتھ رہیں گے کچھ دن میرے گھر کچھ دن نوید کے گھر۔“

”میں یہ گھر نہیں بکنے دوں گی۔“ نسیم بیگم نے کہا۔

”امی..... یہ گھر آپ دونوں نے اپنے بچوں کے لیے ہی بنوایا تھا نا تو اپنے بچوں کے لیے بیچنے میں کیا

پر اہم ہے؟“

”تمہارے ابا اکیلے آج تک تم سب کے اخراجات ضروریات اور خواہشات پوری کرتے آئے ہیں انہوں نے تو کبھی ہاتھ نہیں کھینچا اپنی ذمہ داریوں سے۔ ہمیشہ دوگنی محنت کی ہے تم سب کو آرام پہنچانے کے لیے۔ آج تم دونوں بھائی مل کر بھی ایک گھر نہیں چلا سکتے۔ کیا فائدہ اتنی اچھی پوسٹ پر ہونے کا۔ آج تک اپنی تنخواہ اپنے پاس ہی رکھی ہے تم نے تو اس میں اتنا بھی نہیں جوڑ سکے کہ اپنا الگ مکان خرید سکو۔ کمال ہے بیٹا شاباش ہے۔“

”امی ٹیکچر سے مسائل حل نہیں ہوں گے آپ یہ گھر بیچ کر ہمیں ہمارا حصہ دیں بس۔“ ولید نے بدتمیزی کرتے ہوئے کہا سب بچے یہ سب دیکھ اور سن رہے تھے اور چپ سادھے ہوئے بیٹھے تھے۔

”تمہارا حصہ..... کون سا حصہ ہے تمہارا؟ کیا تم نے اس مکان کی تعمیر میں کوئی حصہ ڈالا تھا۔ کوئی پیسہ خرچ کیا تھا تم نے اس گھر کی تزئین و آرائش میں جو حصہ مانگ رہے ہو؟ یہ تمہارے باپ کی دن رات کی محنت کی کمائی سے بنایا گیا گھر ہے، تمہیں اعلیٰ تعلیم دلوا کر یہاں تک پہنچایا آج تک تمہارے بیوی بچوں کا خرچ اٹھایا اس کے بعد بھی تمہیں حصہ چاہیے۔ شرم آئی چاہیے تمہیں پتا نہیں کیا کی رہ گئی ہے ہماری تربیت میں یہ دن بھی دیکھنا تھا ہمیں۔“ نیسہ بیگم نے روتے ہوئے کہا ان سب کے منہ بنے ہوئے تھے۔

”باپ کی جائیداد پر اولاد کا ہی حق ہوتا ہے ہم نے کون سی دنیا سے زالی بات کی ہے اور ہم کہہ رہے ہیں ناں ہم آپ دونوں کو اپنے ساتھ رکھیں گے بالکل دیسے ہی جیسے آپ نے آج تک ہمارا خیال رکھا، ہم آپ کی ہر ضرورت کا خیال رکھیں گے، لیکن اگر ہم یونہی ایک گھر میں رہے تو خرچے پہ جھگڑے ہوتے رہیں گے اور رشتے نہیں بچیں گے۔“ ولید نے تیز لہجے میں کہا تو وحید حسین اپنے دل کو سنبھالتے ہوئے فکست خوردہ اور آزرده لہجے میں بولے۔

”ٹھیک ہے کوئی خریدار ڈھونڈ لو جو گھر خرید لے اور

تمہاری ضرورت پوری ہو سکے۔“

”ٹھیک ہے ابا جی میں ابھی پراپرٹی ڈیلر کو فون کرتا ہوں میرا جاننے والا ہے ایک وہ اس گھر کا اچھا ریٹ لگوا دے گا۔“ ولید خوش ہو کر بولا۔

”گھر کو نظر لگ جائے تو ریٹ کیسے اچھا لگ سکتا ہے۔“ وحید حسین نے دکھ سے کہا اور وہاں سے اٹھ گئے۔

اور پھر وحید و لا سوا کروڑ میں فروخت ہو گیا۔ نوید اور ولید نے الگ گھر خرید لیے، اکلوتی گاڑی بھی بیچ دی گئی اور نوید ولید نے اپنے اپنے موٹر سائیکل بیچ کر اور گاڑی سے ملنے والی رقم برابر تقسیم کر کے اپنے لیے الگ الگ

چھوٹی گاڑیاں خرید لیں لیکن چند روز بعد ہی نیا مسئلہ کھڑا ہو گیا تھا کہ نوید اور ولید ماں باپ کو اکٹھا اپنے گھر نہیں

رکھ سکتے، کچھ عرصہ تو وہ آپس میں الجھتے رہے پھر وحید حسین اور نیسہ بیگم سے صاف صاف کہہ دیا گیا کہ

دونوں میں سے ایک ولید کے گھر رہے گا اور ایک نوید کے گھر کیونکہ وہ دونوں ایک ساتھ ان کے اخراجات

برداشت نہیں کر سکتے۔ ناچار انہیں یہ کڑوا گھونٹ بھی پینا پڑا اور یوں نیسہ بیگم چھوٹے بیٹے نوید کے گھر آ گئیں اور

وحید حسین بڑے بیٹے ولید کے گھر بھیج دیے گئے۔ ان کے دلوں پر جو بیت رہی تھی یہ وہی جانتے تھے مگر اپنی

اولاد کی آسانیوں کے لیے مسکراتے رہے تھے دونوں زندگی میں کبھی ایک دوسرے سے دور نہیں گئے تھے۔ دو

چار دن سے زیادہ وہ ایک دوسرے سے دور نہیں رہے تھے تب بھی ان کا رابطہ رہتا تھا، مگر اب تو رابطہ بھی مشکل

سے ہو پاتا تھا۔ دونوں ایک دوسرے سے ڈھنگ سے بات بھی نہیں کر پاتے تھے کہ ملاقات کا وقت ختم ہو جاتا

تھا اور وہ دونوں بظاہر سب اچھا ہے کا احساس دلاتے تھے۔ ایک دوسرے کو اور کبھی کبھار کی سب کے بیچ

ہونے والی اس ادھوری اور سرسری سی ملاقات سے رخصت لیتے تھے۔ مگر دونوں بڑھاپے میں اس ہجر کے

غم میں گھل رہے تھے تنہائی اور اکیلے پن کی تکلیف سہ

AANCHALPK.COM

تازہ شمارہ شائع ہو گیا ہے

آج ہی قریبی بک اسٹال سے طلب فرمائیں



ملک کی مشہور معروف قد کاروں کے سلسلے دار ناول
ناولٹ اور افسانوں سے آراستہ ایک مکمل جریدہ
گھر بھر کی دلچسپی صرف ایک ہی رسالے میں ہے
جو آپ کی آسودگی کا باعث ہو سکتا ہے اور وہ ہے اور
صرف آنچل۔ آج ہی اپنی کاپی بک کرالیں۔

فیصلہ کی باتیں

پابست و محبت کے موضوع پر بھی ایسی دلکش تحریر
جو آپ کی دل کی دنیا میں بل قفل کر دے

ایک مسکراہٹ کا

معاشرے کے تلخ حقائق کی عکاسی کرتا فاخر نگار کا ناول
جو آپ پر بہت سی حقیقتیں آشکار کر دے گا

سنی سنسنی کے

خاندانی اختلافات و جھگڑوں کے پس منظر میں لکھا اقرار اسغیر کا
بہترین ناول جو آپ کی سوچ کو ایک نیا رخ عطا کر دے

AANCHALNOVEL.COM

پڑھنے کی صورت میں رجوع کریں (021-35620771/2)

رہے تھے اس کا احساس ان کے اپنے نگے بیٹوں کو ہی
نہیں تھا تو وہ کسی اور سے کیا گلہ کرتے؟

○.....○.....○

منال نے آج دادی کی حالت زار کا احوال جو سنا اسے
محسوس بھی شدت سے کیا تھا اور کچھ سوچ کر اس نے اپنے
کزن نونل کو فون کیا۔

”زبے نصیب مجھے یقین نہیں آ رہا کہ تم نے مجھے خود
سے کال کی۔“ نونل اس کی آواز سنتے ہی چپکا تھا کیونکہ
منال کو دل سے چاہتا تھا مگر کبھی اس احساس کا اظہار نہیں
کیا تھا اس کے سامنے اس کے خیال میں ابھی مناسب
وقت نہیں آیا تھا حال دل سناتے کا۔

”مجھ سے فوراً ملو آ کر۔“ منال نے اس کی بات نظر
انداز کرتے ہوئے تیزی سے کہا۔

”ریٹلی.....! کب کہاں؟“ نونل خوش ہو کر بولا۔
”گھر کے سامنے جو پارک ہے وہاں آ جاؤ میں بھی
دس منٹ میں وہاں پہنچتی ہوں۔“

”اوکے میں آ رہا ہوں۔“ نونل خوشی سے کہتا اس کی
جانب سے رابطہ منقطع ہوتے ہی باہر بھاگا۔

منال ایک خوب صورت اور ذہین لڑکی تھی۔ سرخ
وسید رنگت مناسب قد و قامت، دلکش نمین نقش کی مالک
سلجھی ہوئی، بچوں کی تربیت اور پرورش میں دادا دادی کا بڑا
ہاتھ تھا۔ اسی لیے بچے سدھرے اور سلجھے ہوئے تھے مگر
بڑوں کے جھگڑے میں بولنے کی جرأت کسی نے نہیں کی
تھی اس خیال سے کہ دادا دادی کو مزید باتیں نہ سننا پڑ
جائیں۔ ورنہ دادی دادا کے ساتھ ہونے والے اس ناروا
سلوک پر سب ہی افسردہ تھے۔ منال پارک میں بے تابی
سے ٹہل رہی تھی۔ نونل بائیک پر وہاں پہنچا۔ اسے یوں
ٹہلے دیکھا تو اس کے پاس آ کر شوخ و شریر لہجہ میں
مسکراتے ہوئے بولا۔

”اتنی بے تابی سے میرا انتظار کر رہی ہو تم۔ مجھے اپنی
قسمت پر شک آ رہا ہے۔“

”کیوں؟“ منال نے نا سمجھی کے عالم میں

اسے دیکھا۔
 ”تم نے مجھے خود کال کر کے پارک میں ملنے کے لیے بلایا..... لگتا ہے میرے دل کی آواز تم تک پہنچ گئی۔“
 ”بکومت۔“ وہ ناراضگی سے بولی۔

”میں نے یہاں اپنی اور تمہاری باتیں کرنے کے لیے نہیں بلایا۔ کسی اور کے دل کی آواز مجھ تک پہنچ گئی ہے اس لیے بلایا ہے۔“ منال اس کی شوخی نظر انداز کرتے ہوئے تیزی سے بولی۔

”ہوں اندازہ تھا مجھے میں تو یونہی خوش فہم ہو رہا تھا۔ خیر کہو کیا بات ہے؟“ نوفل نے منہ بنا کر کہا۔

”دادا جان کیسے ہیں؟“

”بہت لوگ ہیں بٹ.....“

”بٹ کیا؟“

”بہت لوثلی فیل کرتے ہیں، بہت اداس اور سیڈرہتے ہیں۔“ نوفل نے سنجیدگی سے جواب دیا تو اس نے پوچھا۔

”کیوں؟“

”آئی تھنک انہیں دادی یاد آتی ہیں وہ کبھی ان سے الگ رہے بھی تو نہیں ناں۔“ نوفل سنجیدگی سے بولا۔

”اور تم نے دادا جان کی اداسی اور تنہائی دور کرنے کے لیے کبھی کچھ سوچا نہیں؟“ منال نے اس کے وجہ پر چہرے کو دیکھتے استفسار کیا۔

”میں کیا سوچوں گا؟“ نوفل نے کندھے اچکائے۔

”کوڑھ مغز ہو تم۔“ منال نے اسے گھورا۔

”دادا دادی نے ہمیں ہمارے ماں باپ بن کر پالا

ہمارا ہر طرح سے خیال رکھا اور آج وہ اس تکلیف میں ہیں

لیکن ہم بے حس بنے ہوئے ہیں۔ آج جیسے دادا دادی

سفر کر رہے ہیں اردو انگریزی دونوں والا کل کو ہمارے

بچے بھی ہمارے ساتھ ایسا ہی سلوک کریں گے بڑھاپے

میں جب ہمیں ایک دوسرے کی سب سے زیادہ ضرورت

ہوگی ہمیں بھی علیحدہ کر دیا جائے گا محض ذرا سا روپیہ پیسہ

بچانے کے لیے جو کہ برائے نام ہوگا جیسے ہمارے دادا

دادی کا ہے۔ ہم لوگ کتنی عیاشی کرتے ہیں۔ فضول خرچی

کرتے والے؟“

کرتے ہیں مگر دادا دادی کی ضروریات بھی ہمارے مما پاپا کو فضول خرچی اور بوجھ لگتی ہے وہ ان دونوں کو ایک ساتھ ایک گھر میں نہیں رکھ سکتے۔“ منال سنجیدگی سے مکر تیز دلیج لہجے میں بولتی چلی گئی۔

”ہاں ہے تو۔“ نوفل نے اثبات میں سر ہلایا۔

”اور یہ بھی تو ہو سکتا ہے ناں کہ دادی دادا چھ ماہ ہمارے

گھر میں رہیں چھ ماہ تمہارے گھر رہیں اس طرح وہ

دونوں ایک دوجے کے ساتھ تو ہوں گے ناں۔“

”بالکل صحیح کہہ رہی ہو تم۔“ نوفل نے سنجیدگی سے اس کی بات کو سمجھتے ہوئے کہا۔

”کتنا دکھ دیا ہے ہمارے پیرنٹس نے دادا

دادی کو انہیں عمر کے اس حصے میں ایک دوسرے

سے علیحدہ کر کے۔“

”ذرا سوچو نوفل کل کو ہم جب اس اسٹیج پر ہوں گے تو

ہمارے بچوں نے اگر ہمارے ساتھ ایسا سلوک کیا تو کیا

ہم زندہ رہ پائیں گے ایک دوجے کے بن خوش رہ پائیں

گے ہم؟“ منال نے بے دھیانی میں اس کے سامنے اپنے

اور اس کے رشتے کا مستقبل پیش کر دیا تھا گویا اس سے

محبت اس کے ساتھ زندگی بسر کرنے کا خواب دیکھا دیا

تھا۔ یعنی وہ بھی اس کے لیے دل میں سو فٹ کارنر اور محبت

بھرے جذبات رکھتی تھی یہ انکشاف اور یہ احساس نوفل کو

ساتویں آسمان پر لے گیا تھا۔

”ہرگز نہیں منال مجھے تو یہ خیال ہی خوف ناک لگتا

ہے۔“ وہ اس کے صبح چہرے کو محبت پاش نظروں سے

دیکھتے ہوئے دل سے بولا۔

”تو ہم دادا دادی پر یہ ظلم ہوتے کیسے دیکھ رہے

ہیں نوفل۔“

”تم بتاؤ کیا کیا جائے؟“ نوفل نے پوچھا۔

”دادا دادی کو ایک کرتا ہے مطلب انہیں ایک ساتھ

رکھنا ہے ہمیں اللہ نے ان کا ساتھ اس طویل عمری تک لکھا

ہے تو ہم لوگ کون ہوتے ہیں انہیں ایک دوجے سے جدا

کرنے والے؟“

”ہوں ٹھیک کہتی ہو کرتے ہیں کچھ۔“ نوفل نے پُرسوج انداز میں کہا۔

”پینتالیس برس کی رفاقت ہے دادا دادی کی اور ہمارے بڑوں نے ان کے سگے بیٹوں نے انہیں ہجر کے دکھ سے دو چار کر رکھا ہے ایسی ہوتی ہے اچھی اور نیک اولاد؟“ منال نے تلخ اور تاسف بھرے لہجے میں کہا تو وہ مسکراتے ہوئے بولا۔

”ہوں درست۔“

”کیا درست؟“

”یہی جو تم نے کہا کہ کل کو ہمارے ساتھ ہمارے بچے بھی یہی سلوک کریں گے تو کیا ہم زندہ رہ پائیں گے ایک دوسرے کے بن؟“

”تو کیا غلط کہا؟“ منال کو اب بھی اپنی بات کی گہرائی کا ادراک نہیں ہوا تھا سادگی میں دل کا راز عیاں کر دیا تھا نوفل پر وہ بے انتہا خوش ہو رہا تھا اور خوشی سے کہنے لگا۔

”تمہیں بالکل درست کہا تم نے دل خوش کر دیا میرا تم نے یہ بتا کر کہ تم بھی مجھے پسند کرتی ہو میرے ساتھ زندگی گزارنے کے خواب دیکھتی ہو۔ ہمیں اور ہمارے کا صیغہ استعمال کر کے تم نے مجھے اپنے ساتھ جوڑ لیا ناں۔ ہم واقعی ایک دو جے کے بنا نہیں رہ سکتیں گے منال۔“

”افوہ..... تم بھی ناں..... احمق ہو ایک دم میں تمہیں سمجھانے اور احساس دلانے کی غرض سے مثال دے رہی تھی۔“

”اور ہمیں اچھی لگی آپ کی مثال اور ان شاء اللہ ہم ایک مثال بنیں گے محبت کی مثال اور ایک مثالی میرج لائف گزاریں گے آئی پراس یو منال۔“ وہ مسکراتے ہوئے اپنے جذباتوں اور ارادوں کے بھید کھولتا منال کو حیا سے دو چار کر گیا۔

”نوفل.....!“ وہ زچ ہوئی۔

”منال.....“ وہ اسی کے انداز میں بولا تو وہ ہنس دی۔

○.....○.....○

نوفل، انس و لید حسین اور افشاں رات کے کھانے پر

سب ہی میز پر موجود تھے۔ وحید حسین کو ان کے کمرے میں ہی کھانا کچھو دیا گیا تھا۔

”مہی..... دادی جان کو یہاں لے آئیں ناں دادا جان اکیلے ہو گئے ہیں ان کے بغیر۔“ انس نے اپنی پلیٹ میں سالن نکالتے ہوئے بات چھتری نوفل نے اسے آنکھوں ہی آنکھوں میں اشارہ کیا تھا۔

”اکیلے کیسے ہو گئے؟“ افشاں نے تندہی سے کہا۔

”ہم سب بھی اسی گھر میں ان کے ساتھ رہتے ہیں۔“

”ان کے ساتھ ہی تو نہیں رہتے ہم۔“ انس بولا۔

”اور ویسے بھی اباجی کے کمرے میں دو افراد کے رہنے کی جگہ نہیں ہے اور تیسرا فالتو کمرہ نہیں ہے ہمارے ہاں۔“ افشاں نے ناک پر سے کھی اڑاتے ہوئے کہا۔

”کمرہ تو خیر وہ بھی نہیں ہے جس میں آپ نے دادا جان کو رکھا ہے وہ تو اسٹور روم تھا جس میں گھر کا فالتو سامان رکھا جاتا ہے آپ نے دادا جان کو فالتو سامان سمجھ کر وہاں پھینک دیا ہے۔“

”انس یہ کیا طریقہ ہے ماں سے بات کرنے کا خاموشی سے کھانا کھاؤ۔“ ولید نے انس کو گھر کا۔

”ڈیڈی..... یہ طریقہ ہم نے آپ ہی سے سیکھا ہے آپ بھی تو اپنی ماں سے ایسے ہی بلکہ اس سے زیادہ روڈ لہجے میں بات کرتے ہیں۔ انہیں اپنے گھر میں رکھنے کے روادار نہیں ہیں مہینوں ان کی خیریت تک نہیں پوچھتے آپ ان کی ضروریات تک کا خیال نہیں رکھتے اور آپ مجھے کہہ رہے ہیں کہ میں ماں سے کیسے بات کر رہا ہوں۔ انس سو فنی ڈیڈ۔“ انس نے طنز یہ کہا تھا انہیں آئینہ دکھایا تھا وہ شیشا کے رہ گئے۔ افشاں نے بوکھلا کر اسے دیکھا۔

”شٹ اپ.....“ ولید حسین غصے سے بولے۔

”او کم آن ڈیڈی شٹ اپ کہنے سے سچ نہیں بدلتا۔“

انس مسکراتے ہوئے کھانا کھاتے ہوئے بولا۔

”انس..... خاموشی سے کھانا کھاؤ یہ تمہیں بیٹھے

بٹھائے دادا دادی سے ہمدردی کیوں ہونے لگی؟“ افشاں

نے انس کو ڈانٹتے ہوئے جرح کی۔

کے ساتھ رہے گا۔“ نوفل نے نہایت سفاکی اور سنجیدگی سے کہا۔

”سوری! میں می کو اسے گھر میں نہیں رکھوں گا یہ تو دادی جان سے ہر وقت بلا وجہ جھگڑتی تھیں پھر میری بیوی کے ساتھ بھی جھگڑا کریں گی لہذا میں می کو اولڈ ہوم میں داخل کرادوں گا کیونکہ ٹھیک ہے ناں می؟“ انس نے اطمینان سے کہتے ہوئے افشاں کا اطمینان ختم کرتے ہوئے ان کی صورت کو دیکھا جہاں حیرت اور صدمے سے ہوائیاں اڑ رہی تھیں ولید حسین الگ چور بنے بیٹھے تھے۔

”کیا..... کہا؟ تم مجھے اولڈ ہوم میں داخل کراؤ گے بڑھاپے میں مجھے لاوارثوں کی طرح چھوڑ دو گے تم یہ سلوک کرو گے اپنے ماں باپ کے ساتھ۔“ افشاں نے غصے اور صدمے سے دونوں کو دیکھتے ہوئے کہا تو انہوں نے کندھے اور بھنویں اچکا کر گویا انہیں ہاں میں جواب دیا۔ افشاں نے تڑپ کر شوہر کی طرف دیکھا اور غصے سے کہا۔

”سن رہے ہیں آپ ہماری محبت چاہت اور تعلیم و تربیت کا یہ صلہ دیں گے ہمارے بیٹے ہمیں۔“

”می! اس میں نیا کیا ہے؟ آپ نے اور ڈیڈ نے بھی تو دادا دادی کو ان کی محبت و چاہت کا تعلیم و تربیت کا یہی صلہ دیا ہے بڑھاپے میں ان کو ایک دوسرے سے جدا کرنے کا گناہ کیا ہے۔ وہ آپ کو بوجھ لگتے ہیں ناں آپ کے کسی کام کے نہیں رہے ناوہ۔ پیسہ کما کر آپ کو نہیں دے سکتے اب پہلے کی طرح آپ کی خواہشیں اور فرمائشیں پوری نہیں کر سکتے۔ لہذا آپ کے لیے وہ بکار اور فالتو ہیں اب ہے ناں ڈیڈ۔“ نوفل نے نہایت سنجیدگی سے مگر خ لہجہ میں انہیں حقیقت کا آئینہ دکھایا تو ان دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھ کر بے چینی سے پہلو بدلا تھا۔

”بڑے افسوس کی بات ہے بیٹا اسی دن کے لیے ہم نے تمہیں بڑھاپا لکھایا اور یہ تعلیم دی۔“ ولید حسین کے پاس کہنے کو کچھ نہیں تھا۔

”جی ڈیڈی! آپ نے ہمیں یہی تعلیم دی ہے ہم نے

”بس می! آج ضمیر نے مجھے میری بے حسی اور بے برداکی پر بہت لعن طعن کیا ہے جیسی زبان چوک گئی ورنہ جو کچھ ہوا اس پر دل انفرودہ تو ہمیشہ سے تھا۔“ انس نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

”کیا ہوا؟ کیا کہنا چاہ رہے ہو تم؟“ افشاں لڑنے والے انداز میں بولیں تو ولید نے انہیں روکا۔

”تم کیوں اپنا جی جلارہی ہو کھانا کھاؤ آرام سے۔“

”آپ کے ماں باپ مجھے کبھی آرام سے رہنے دیں گے بھلا۔“

”دیکھا آپ نے پھر دادا دادی کو برا کہہ رہی ہیں ان کے دیئے ہوئے پیسوں سے یہ گھر خریدا تھا آپ نے اور ان ہی کو برا کہتی ہیں انہی کے لیے آپ کے گھر میں کمرہ نہیں ہے چہ چہ چہ۔“ انس نے تاسف سے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔

”میری انجکیشن کمپلیٹ ہونے کے بعد جاب لگ جائے گی میں بڑا سا گھر بنواؤں گا ان شاء اللہ۔“ نوفل نے کھانا کھاتے ہوئے سنجیدگی سے کہا تو افشاں مسکرا کر بولیں۔

”میرے لیے بھی بڑا سا کمرہ بنوانا تم۔“

”آپ کے لیے بڑا سا کمرہ؟“ نوفل نے انہیں ایسے دیکھا جیسے انہوں نے کوئی انوکھی بات کہہ دی ہو۔

”تو کیا آپ میرے ساتھ رہیں گی؟“

”کیا مطلب؟“ افشاں نے حیرانگی سے نوفل کو دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

”ہم تمہارے ساتھ نہیں رہیں گے تو اور کہاں رہیں گے؟“

”می! دادی تو ہمارے ساتھ نہیں رہیں ناں تو آپ بھی میرے ساتھ نہیں رہیں گی۔ انس اگر آپ کو رکھنا چاہے گا تو آپ انس کے ساتھ رہیں گے۔ ہاں ڈیڈ جب ریٹائر ہو جائیں گے تو میں انہیں اپنے ساتھ رکھوں گا جیسے آپ نے دادا جان کو اسٹور نما کمرے میں رکھا ہے ایسا ہی ایک کمرہ میں ڈیڈ کے لیے بنوادوں گا لیکن آپ تو می! انس

کادماغ بھی سوچوں کے سمندر میں غوطہ زن تھا۔

○.....○.....○

ادھر نوید حسین اینڈ فیملی کھانے کی میز پر موجود تھی فریال نے میز پر روٹیوں والا ہاٹ پاٹ رکھا اور نوید کے برابر والی کرسی پر بیٹھ گئیں۔ نسیم بیگم اپنے کمرے میں تھیں حسب معمول۔

”واؤ کو فتنے میرے فیورٹ۔“ حمزہ نے ڈونگے کا ڈھکن ہٹایا تو کو فتنے دیکھ کر اس کے منہ میں پانی آ گیا۔
”تمہیں تو گوشت میں کچی ہر چیز پسند ہے۔“
”خیر ہر چیز تو نہیں صرف حلال چیز پسند ہے۔“
حمزہ نے مسکراتے ہوئے منال کی بات کی درستگی کرتے ہوئے کہا۔

”واہ..... واہ کیا کہنے میرا بھائی تو بہت دانش مندی کی باتیں کر رہا ہے حلال حرام کا فرق معلوم ہے میرے بھائی کو۔“ منال نے حمزہ کے بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے اسے محبت سے دیکھتے ہوئے سراہا۔
”جی ہاں آپنی حلال حرام اور صحیح غلط کا فرق ہی تو ہماری تعلیم ہمیں سکھائی ہے۔“ حمزہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”کھانا شروع کرو ٹھنڈا ہو جائے گا۔“
”مما دادی جان ہمارے ساتھ ٹیبل پر کھانا کیوں نہیں کھاتیں؟“ حمزہ نے سالن پلیٹ میں نکالتے ہوئے پوچھا۔

”انہیں اپنے کمرے میں اکیلے بیٹھ کر کھانا پسند ہے۔“ فریال نے بات بتائی اور نوید نے انہیں چونک کر دیکھا۔

”نہیں ممی مجھے اچھی طرح یاد ہے جب ہم دادی دادی کے گھر میں سب اکٹھے رہتے تھے تو دادی سب کے ساتھ کھانا کھاتی تھیں۔ جب تک سب ٹیبل پر نہیں آ جاتے تھے دادی کھانا نہیں کھاتی تھیں کتنے شوق سے وہ ہم سب کے لیے کھانا پکاتی تھیں اور ہم سب فرمائش کر کے دادی جان سے کھانا پکواتے تھے۔“ حمزہ نے سنجیدگی سے کہا تو

آپ دونوں کو یہی کرتے دیکھا ہے آپ نے ہمیں جو اپنے رویے اور عمل سے کر کے دکھایا ہے ہم نے وہی سیکھا ہے تو ہم بھی تو وہی کریں گے ناں۔ اولڈ ہوم میں آپ دونوں اکٹھے رہنے کا کم از کم جدائی کی اذیت سے تو آپ دونوں بچ جائیں گے۔“ نوفل نے سنجیدگی سے انہیں دیکھتے ہوئے جواب دیا۔

سنا آپ نے یہ بیٹا جس کی پیدائش پر ہم نے مٹھائیاں تقسیم کی تھیں خوشیاں منائی تھیں جسے اتنے لاڈ پیار سے پالا تھا یہ ہمیں اولڈ ہوم بھیجے کا مژدہ سنا رہا ہے۔“
افشاں نے رو ہانسی ہو کر ولید حسین کو دیکھتے ہوئے کہا۔
نوفل اور انس نے ایک دوسرے کو دیکھا نوفل نے انس کو آنکھ ماری اور دونوں مسکراتے ہوئے کرسی کھسکا کر اٹھ گئے۔

”یہ تو ہونا ہی تھا افشاں بیگم یہ دنیا مکافات عمل ہے جو بوؤ گے وہی کاٹو گے جیسا سلوک ہم نے اپنے ماں باپ کے ساتھ کیا ہے وہی سلوک کل ہماری اولاد ہمارے ساتھ کرے گی۔ شکر کرو کہ قدرت نے ہمیں بروقت آئینہ دکھادیا ہمیں ہمارا کل خوف ناک اذیت ناک عبرت ناک انجام دکھا کر ہمیں متنبہ کر دیا ہے ابھی بھی دیر نہیں ہوئی افشاں ہم چاہیں تو اپنا کل سہل کر سکتے ہیں۔ انجام سے پہلے توبہ معافی اور التجا کے دروازے پر دستک دے کر ہم اپنا بڑھا پا محفوظ اور باعزت بنا سکتے ہیں ابھی بھی دیر نہیں ہوئی۔“ ولید حسین نے سنجیدگی سے اپنی شکست اپنا قصور اور اپنی بے حسی تسلیم کرتے ہوئے کہا تو افشاں کے دل کو ان کی بات بالکل سچ محسوس ہوئی وہ دھیمے لہجے میں بولیں۔

”شاید آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔“

”شاید نہیں میں یقیناً ٹھیک ہی کہہ رہا ہوں ہمارے بچوں نے ہمیں حقیقت کا آئینہ نہیں دکھایا بلکہ ہمارا آنے والا کل ہمارا انجام ہمیں دکھایا ہے۔“

”ہوں.....“ افشاں شوہر کی بات پر پُر سوچ انداز میں سر ہلاتے ہوئے مستقبل کی فکر میں غلطاں تھیں ولید حسین

منال پھر اس کی بات سے بات نکالتی ہوئی بولی۔

”ہوں صحیح کہہ رہے ہو تم اور آج دو جوان کماؤ پوت اعلیٰ عہدوں پر فائز بیٹوں کے ہوتے ہوئے دادا دادی کو بچا کچا کھانا بھی احسان کی طرح جتا کر دیا جاتا ہے ایک چھوٹے سے کمرے میں انہیں محدود کر دیا گیا ہے۔“

”منال..... خاموشی سے کھانا کھاؤ سمجھیں۔“ فریال نے غصے سے منال کو ڈپٹا۔

”آپ کو پتا ہے ماما آپ کا بیٹا بھی آپ کے ساتھ یہی سلوک کرے گا۔ حمزہ کہہ رہا تھا کہ میں اگر اپنا گھر نہ بنواسکا تو یہ گھر تو میرا ہی ہو گا ناں کیونکہ میں ماما پاپا کا اکھوتا بیٹا ہوں تو میں بھی ماما کو اسی کمرے میں رکھوں گا جس کمرے میں ماما پاپا نے دادی کو رکھا ہوا ہے۔“

”کیا؟ حمزہ یہ کیا سن رہی ہوں میں تم ہمارے ساتھ یہ سلوک کرو گے؟ تم اپنی ماں کو اس ڈرے میں رکھو گے۔“ فریال تو غصے سے برس پڑیں اس پر وہ بوکھلا کر بولا۔

”ماما..... آپ کو وہ ڈرہ لگتا ہے تو آپ نے دادی کو وہاں کیوں رکھا ہوا ہے؟ دادی کوئی مرغی تھوڑی ہیں۔“

”حمزہ..... یہ کیا بد تمیزی ہے؟“ نوید غصے سے چلائے۔

”سوری پاپا ماما کو ڈرے میں رہنا پسند نہیں ہے تو آپ دونوں اولڈ ہوم میں رہ لیجیے گا دیے یہاں پاپا کے لیے تو جگہ ہوگی نہیں..... اور منال آئی تو لڑکی ہیں ان کی شادی ہو جائے گی یہ اپنے سرال چلی جائیں گی بیٹی کے سرال میں تو اس کے ماں باپ نہیں رہ سکتے ناں۔“

”حمزہ شرم کر اپنی ماں سے بد تمیزی کر رہے ہو یہ سوچ ہے تمہاری تم ہمیں اولڈ ہوم میں داخل کراؤ گے۔ یہ سکھایا پڑھایا ہے ہم نے تمہیں؟“ نوید غصے سے اسے دیکھتے ہوئے بولے تو وہ سہم سا گیا کن اکھیوں سے منال کی جانب دیکھا تو وہ فوراً بات سنبالتے ہوئے بولی۔

”پاپا..... بچے وہ نہیں کرتے جو انہیں ماں باپ سکھاتے ہیں بلکہ بچے وہ کرتے ہیں جو وہ اپنے ماں باپ کو کرتے ہوئے دیکھتے ہیں والدین کا عمل اور رویہ اپناتے

ہیں بچے۔ جیسا آپ نے اپنے ماں باپ کے ساتھ کیا ہے ویسا ہی آپ کا بیٹا آپ کے ساتھ کرے گا تو اس میں حیرت کیسی پاپا؟ جیسا کرو گے ویسا بھرو گے بچپن سے ہم سنتے پڑھتے آ رہے ہیں۔“

”بس بہت ہو گئی بکواس دفعہ ہو جاؤ یہاں سے۔“ نوید نے غصے سے کہا تو حمزہ نے منہ بسور کر منال کو دیکھا۔

”ارے کیا ہوا کیوں چیخ رہے ہو نوید بیٹا؟“ نسیم بیگم ان کی آواز سن کر کمرے سے باہر نکل آئیں۔

”کچھ نہیں دادی جان..... آئینہ ان کو دکھایا تو برامان گئے۔“ منال نے مسکرا کر سنجیدہ لہجے میں جواب دیا۔

”یہ آپ ہی کی صحبت کا اثر ہے امی جان نجانے کیا پٹیاں پڑھائی رہتی ہیں میری اولاد کو جو آج یہ دونوں ہمارے سامنے زبان چلا رہے ہیں۔“ فریال نے ساس کو غصے سے دیکھتے ہوئے کہا تو منال تیزی سے بولی۔

”ماما پلیز دادی جان کو کچھ مت کہیے ورنہ کل اسی جگہ آپ کی بہو کھڑی ہوگی اور دادی جان کی جگہ آپ کھڑی ہوں گی اور آپ کی بہو ایسی ہی باتیں آپ کو سنا رہی ہوگی۔“

”منال بیٹا ایسی باتیں نہیں کرتے ماں سے جاؤ اپنے کمرے میں۔“ نسیم بیگم نے منال کو نرمی سے کہا۔

”جی دادی آؤ حمزہ۔“ منال اور حمزہ اپنی اپنی پلیٹ اور چپاتی لے کر اپنے کمرے میں چلے گئے۔ نوید اور فریال بھی کھانے کی میز سے اٹھ کر چلے گئے۔ نسیم بیگم نم آنکھیں لیے اپنے کمرے میں چلی گئیں۔

رات میں سونے کے لیے لیٹے تو نوید حسین اور فریال کی آنکھوں سے نیند کو سوں دور تھی۔ دونوں ہی حمزہ اور منال کی باتوں میں الجھے ہوئے تھے۔ فریال نے گردن گھما کر برابر میں لیٹے اپنے شوہر کو دیکھا وہ جاگ رہے تھے فریال نے کہا۔

”آپ سوئے نہیں ابھی تک۔“

”تم بھی تو جاگ رہی ہو۔“ نوید حسین نے سامنے دیوار پر نظریں جمائے ہوئے کہا۔

”مجھے نیند نہیں آرہی۔“ فریال نے جواب دیا۔

رات تھی۔

”مجھے بھی۔“

”شام میں تیار رہنا ولید بھائی کی طرف چلیں گے۔“
صبح بینک جاتے ہوئے نوید نے فریال سے کہا تو انہوں
نے بھی بنا سوال کیے ٹھیک ہے کہہ کر اثبات میں سر ہلا دیا۔

○.....○.....○

”تو کیا آپ بھی وہی سوچ رہے ہیں جو میں سوچ
رہی ہوں۔“
”تم کیا سوچ رہی ہو؟“ نوید حسین نے فریال کا
چہرہ دیکھا۔

شام کو جب وہ ولید حسین اور افشاں کے گھر
جار ہے تھے تو حمزہ بھی زبردستی ان کے ساتھ ہولیا اور
ولید حسین کے گھر پہنچے ہی وحید حسین (دادا جان) سے
ملنے چلا گیا وہ عصر کی نماز سے فارغ ہوئے تھے وہ بھی
حمزہ کو دیکھ کر خوش ہو گئے۔

”کھانے کی میز پر حمزہ نے جو کچھ کہا آپ کو لگتا ہے کہ
وہ ایسا کرے گا ہمارے ساتھ؟“
”بھئی اگر حمزہ اس عمر میں اتنی بڑی بات کہہ سکتا ہے تو
کمانے اور گھر سامنے کی عمر کو پہنچنے تک تو وہ اس سے بھی برا
کر سکتا ہے ہمارے ساتھ۔ بات بھی ٹھیک ہے اس کی
جیسا ہم نے ہمارے ماں باپ کے ساتھ کیا ہے وہی
سلوک ہماری اولاد ہمارے ساتھ کرے گی اور شاید اس
سے کہیں زیادہ برا کرے گی۔“ نوید حسین نے سنجیدگی سے
کہا تو فریال بے کل ہو کر بولیں۔

”کیا حال ہے دادا جان؟“ حمزہ ان سے بغل گیر ہوا۔
”اللہ کا شکر ہے جو وقت بھی گزر جائے اس کا کرم
ہے تم سناؤ آج کیسے رستہ بھول گئے ادھر کا دادا کی یاد بھی
نہیں آتی تمہیں؟“ وحید حسین نے اس کی کمر تھپکتے
ہوئے مان بھرا گلہ کیا تو وہ ان سے الگ ہو کر انہیں
دیکھتے ہوئے بولا۔

”یعنی ہمارا بڑا حایا خوار ہو کر گزرے گا میں یہ سب
برداشت نہیں کر سکوں گی۔“

”مجھے آپ کی یاد ویسے ہی آتی ہے جیسے آپ کو میری
یاد آتی ہے۔“

”امی جان بھی تو برداشت کر رہی ہیں ناں بنا کسی
حرف شکایت کے۔“ نوید حسین نے انہیں احساس دلانے
کے لیے کہا تو وہ خجالت سے نظریں چرا کر بولیں۔

”بہت سیانے ہو گئے ہو میاں؟“ وہ مسکرا دیئے۔
”ایک بات پوچھوں دادا جان۔“ حمزہ ان کے برابر
بیٹھتے ہوئے بولا۔

”اس میں اکیلی میں قصور وار نہیں ہوں اور ہمیں اپنے
کل کے لیے کچھ سوچنا ہوگا۔ ابھی بھی دیر نہیں ہوئی نوید
کچھ کریں مجھے تو حمزہ اور منال کی باتوں نے پریشان
کر کے رکھ دیا ہے۔“

”پوچھو صاحبزادے تمہیں کچھ پوچھنے کے لیے
اجازت کی ضرورت کب سے ہونے لگی؟“

”ہوں کرتے ہیں کچھ سوچتے ہیں کیا کرنا ہے ابھی تو
سو جاؤ۔“ نوید حسین نے کروٹ بدلتے ہوئے کہا۔

”نہیں بس یونہی بات ہی کچھ ایسی ہے۔“ حمزہ نے
سنجیدگی سے کہا۔ ”میں نے سنا ہے کہ ہم جیسا سلوک اپنے
ماں باپ کے ساتھ کرتے ہیں ہمارے بچے بھی ہمارے
ساتھ ویسا ہی سلوک کرتے ہیں ہمارے بڑا پے میں کیا
یہ سچ ہے؟“

”ایسی چوہن میں بھلا نیند آ سکتی ہے کیا؟“ فریال
نے چڑ کر کہا نوید حسین نے کوئی جواب نہیں دیا اور
آنکھیں موند کر سونے کی کوشش کرنے لگے مگر آنکھوں
کے پردوں پر زندگی کے تمام ادوار والدین کی توجہ محبت
خیال اور احساس کے سب ہی منظر ایک ایک کر کے آتے
چلے گئے اور یہاں تک کہ پریشان کن اور بے کل

”ہاں سنا پڑھا تو ہم نے بھی یہی ہے آج تک۔“
وحید حسین نے سنجیدگی سے جواب دیا ان کے چہرے پر
سفید داڑھی رنگت میں ہلکی سی پیلاہٹ کھلی تھی وہ آج بھی
گریس فل تھے بس کمزور ہو گئے تھے۔ تنہائی نے رنگ

اسلام علیکم!

ہمیں اپنے Blog Kitabdost

<http://kitabdostpk.blogspot.be>

اور readingpoint

<http://readingpointpk.blogspot.be>

کے لیے لکھاریوں کی ضرورت ہے جو ہمارے لیے ناولز

لکھ سکیں جو خواتین و حضرات شوقین ہیں وہ

ہمیں اپنی تحریر (ناول، ناولٹ، افسانہ قسط وار ناول)

اس میل آئی ڈی پہ سینڈ کر سکتے ہیں

maisrasultan@gmail.com

فیس بک پہ بھی اس میل کے ذریعے رابطہ کریں

ترنگ انگ سب ختم کر دیئے تھے جیسے۔

”مطلب‘ آپ نے بھی اپنے ماں باپ کو ایسے ہی رکھا تھا جیسے آج آپ اور دادی جان رہ رہے ہیں ایک دوسرے سے جدا۔“ حمزہ نے حیرانگی سے انہیں دیکھتے ہوئے کہا تو وہ بے کلمی سے بولے۔

”ہرگز نہیں‘ میرے ماں باپ میرے ساتھ رہتے تھے مرتے دم تک وہ ہمارے ساتھ ہمارے گھر میں رہے۔ میں نے اور تمہاری دادی نے ان کی بہت خدمت کی تھی اور مرتے دم تک ہم دونوں کو دعائیں دیتے رہے، بہت خوش تھے وہ اس دنیا سے رخصت ہوتے ہوئے، کیونکہ انہیں یہ خوشی تھی کہ ان کی اولاد نے ان کی دل سے خدمت کی ہے۔“

”آپ نے اپنے چھوٹے بھائی سعید دادا کے گھر نہیں بھیجا دادا دادی کو۔“ حمزہ نے دلچسپی سے سوال کیا۔ ولید انشاں نوید اور فریال بھی دروازے سے لگے ان کی باتیں سن رہے تھے۔

”نہیں، جب ان کی مرضی ہوتی وہ آتے جاتے رہتے تھے ایک دوسرے سے ملنے میں بڑا بیٹا تھا اور مجھے احساس تھا کہ میرے والدین نے مجھے کس محبت سے پالا ہے، پیار سے پرورش کی ہے میری تو میرا بھی فرض بنتا تھا کہ میں ان کے بڑھاپے میں ان کی خدمت کرتا، میں خوش نصیب ہوں کہ مجھے اپنے والدین کی خدمت کا موقع ملا۔“ وحید حسین نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

”ہوں..... لیکن آپ کے بیٹوں نے تو آپ کے ساتھ ویسا کچھ بھی نہیں کیا الٹا آپ اور دادی کو ایک دوسرے سے الگ کر دیا۔“ حمزہ نے سنجیدگی سے کہا تو وہ گہرا سانس لیوں سے خارج کرتے ہوئے بولے۔

”ہاں بیٹا، والدین کی خدمت کا شرف ہر کسی کو حاصل نہیں ہوتا۔ یہ تو بڑے نصیب کی بات ہے اگر کوئی سمجھے تو۔“

”پھر بھی آپ اس حال میں خوش ہیں؟“

”خوش تو نہیں ہوں۔“ وحید حسین نے نرم مگر سنجیدہ

لہجے میں کہا۔ ”ہاں مطمئن ضرور ہوں کہ میں نے اپنا فرض اور ذمہ داری احسن طریقے سے ادا کی کبھی اپنے سکھ کے لیے اپنی اولاد کا سکھ قربان نہیں ہونے دیا۔“

”لیس آئی نوگرینڈ یا، لیکن آپ کے بیٹوں اور میرے والدین کو اس خود غرضی کی سزا ضرور ملے گی۔“ حمزہ نے غصے میں آتے ہوئے کہا۔

”حمزہ..... بہت بری بات ہے اپنے ماں باپ کے لیے ایسا نہیں سوچتے اور کہتے ہوئے بھی تمہیں شرم آتی چاہیے وہ تمہارے لیے کیا کچھ نہیں کرتے۔“ وحید حسین نے اسے ڈانٹا۔

”انہوں نے آپ کے ساتھ کیا کچھ نہیں کیا دادا؟“

”یہ میرا اور ان کا مسئلہ ہے۔“

”ہاں تو یہ میرا اور میرے ماں باپ کا مسئلہ ہے۔“ حمزہ نے بھی ان کی ہی بات کو انہیں لوٹایا، انہوں نے اس کی آنکھوں میں بغاوت کے رنگ دیکھے تو لرز گئے۔

”اگر میری محبت اور تربیت تمہارے لیے کچھ معنی رکھتی ہے تو تم اپنے والدین کا احترام کرو گے ان کی خدمت کرو گے، ان کا ہر طرح سے خیال رکھو گے اور جب اپنا گھر بنانے کے قابل ہو جاؤ تو سب سے پہلے اپنے ماں باپ کے لیے سب سے بڑا کشادہ سا کمرہ ضرور بنواتا جہاں انہیں اپنی ضرورت کی ہر چیز میسر ہو۔ ویسے ہی ان کی ضروریات کا خیال رکھنا جیسے آج وہ تمہاری ضروریات اور خواہشات کا خیال رکھتے ہیں۔ جانتے ہو میاں، یہ جو بوڑھے ہوتے ہیں نا، یہ بالکل بچے ہوتے ہیں، ان کا خیال جوان اولاد کو بالکل اسی طرح رکھنا چاہیے جس طرح انہوں نے اپنی جوانی میں اپنی اولاد کا خیال رکھا تھا۔ ماں باپ کی خدمتوں، محبتوں، ریاضتوں کا حق ہم چاہیں بھی تو ادا نہیں کر سکتے۔ اس لیے میرے بچے اپنے ماں باپ کو کبھی ناراض مت کرنا، ان کی خدمت کر کے تم اپنے لیے جنت کما سکتے ہو۔“

”یہ باتیں کیا آپ کے بیٹوں کو نہیں معلوم۔“ حمزہ نے چبھتا ہوا سوال کیا تو وہ مجروح سی مسکراہٹ لیوں پر

لاکر بولے۔

”علم سے نہیں..... عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی۔“

”ہوں کتنی بری بات ہے ناں دادا جان! جب ہم ماں باپ کے گھر میں رہتے ہیں ہم خوش اور مطمئن رہتے ہیں بے فکر رہتے ہیں اور جب اسی گھر میں والدین ہمارے ساتھ رہنے لگیں تو ہمیں اچھا نہیں لگتا ان کا وجود ہمیں کانٹنے کی طرح چبھتا ہے ہمارا بس نہیں چلتا کہ ہم انہیں نکال باہر کریں گھر سے۔ ایسے لوگوں کو جنت نہیں ملا کرتی بلکہ جہنم ان کی راہ نکتی ہے وہ بھی بڑی شدت و بے مبری سے۔“ حمزہ نے نہایت تلخ و سنجیدہ لہجے میں کہا تو وحید حسین نے بھنویں سکیر کر اسے دیکھا وہ انہیں ایک دم سے بہت بڑا دکھائی دے رہا تھا۔ اسے ان کی تنہائی کا احساس تھا یہ جان کر انہیں اس پر بے حد پیارا آیا۔

○.....○.....○

”یقین نہیں ہوتا یہ ہمارے بیٹے ہیں ایسے باپ کے سامنے بیٹھ کر کتنی آسانی سے کہہ دیا کہ ہمیں اولڈ ہوم میں بھیج دیں گے ہمیں ہماری محنتوں اور محبتوں کا یہ صلہ دیں گے ہمارے بیٹے۔“ ولید حسین پوی کے سامنے برس رہے تھے۔ وہ سنجیدہ سی چور بنی بیٹھی تھیں۔ ان کی بات سن کر کہنے لگیں۔

”یوں غصہ کر کے اپنا بی بی بڑھانے سے کیا فائدہ؟ کوئی حل سوچیں اس مسئلے کا جیسے نوید اور فریال کہہ رہے تھے۔“

”مذاق سمجھا ہے انہوں نے زندگی کوئی کھیل تماشا نہیں ہے کہ ان کی من مرضی سے گزاری جائے گی۔ دن رات محنت کرتا ہوں میں کس کے لیے اپنے بچوں کے لیے ناں ان کو ایک سے ایک اعلیٰ تعلیمی ادارے میں تعلیم دلوا رہا ہوں ان کی ہر خوشی ضرورت خواہش پوری کرتا ہوں کیا اس دن کے لیے کہ کل جب یہ خود کمانے گھر بنانے کے قابل ہو جائیں تو باپ کو کسی اسٹور روم یا اولڈ ہوم میں پھینک دیں۔“ ولید حسین کا غصہ کسی طور کم نہیں ہو رہا تھا۔

افشاں بھی تلخ لہجے میں بولیں۔

”آپ نے بھی تو یہی کیا ہے اپنے ماں باپ کے ساتھ۔ انہوں نے بھی تو آپ کو ایک سے ایک اعلیٰ تعلیمی اداروں میں تعلیم دلوائی تھی فیسٹرز پڑھا کر آپ دونوں بھائیوں کو زندگی کی ہر سہولت ضرورت مہیا کی، ابھی آپ کی کسی فرمائش کسی مطالبے کو رد نہیں کیا۔ یہاں تک کہ اپنا گھر تک بیچ دیا آپ دونوں بھائیوں کی ضد اور خوشی پوری کرنے کے لیے اور آپ بھائیوں نے کیا کیا.....؟ اپنے ماں باپ کو گھر کا فالتو بیکار سامان سمجھ کر اسٹور روم میں پھینک دیا۔ ردی کچرا سمجھ کر کوڑے دان میں ڈال دیا۔ ان کی پسندنا پسند تو چھوڑیں ان کی ضروریات تک کا خیال نہیں کیا کبھی گھر میں زندہ وجود ہیں لہذا کھانا پکنا ہے تو ان کو بھی دے دیا جاتا ہے جیسے گھر کے کسی ملازم کو دیا جاتا ہو۔“

”تو اس میں بھی میرا قصور ہے؟“ ولید حسین غصے سے دھاڑے۔

”تمہیں اگر اتنا ہی خیال ہے ان کا تو کیوں انہیں اس ابتر حالت میں رکھا ہوا ہے؟ اور یہ تم کہہ رہی ہو..... بھول گئیں تم نے ہی مجھے مجبور کیا تھا اباجی سے گھر بیچنے کی بات کرنے کے لیے..... اور افشاں بیٹم یہ تمہارا اور فریال کا ہی مطالبہ تھا کہ تمہیں الگ گھر لے کر دیا جائے۔ اب سارا بائرام میرے سر مت دھرو۔“

”ٹھیک ہے ہمارا مطالبہ تھا مگر آپ تو مرد تھے کما تے تھے آپ کے والدین نے کیسے آپ کو پالا تھا پیار دیا تھا کیا میں نے بھلانے کے لیے مجبور کیا تھا؟ آپ چاہتے تو محل اور برادری سے سمجھداری سے اس معاملے کو سلجھا سکتے تھے مگر آپ دونوں بھائیوں نے اپنے امی ابا کے سامنے طبل جنگ بجانا شروع کر دیا تھا۔ وہ بے چارے بوڑھے اور کمزور ماں باپ اولاد کی محبت میں گندھے وہ بھلا کیا لڑتے؟ آپ جوان بھائیوں سے سوہا مان گئے۔ آپ کا گھر بیچنے کا مطالبہ بھی انہوں نے پورا کر دیا۔ لیکن آپ بھائیوں نے اپنے ماں باپ کو مجبوری لا چاری شرمندگی اور

تنبہائی کی زندگی کے حوالے کر دیا۔“ افشاں نے تیز لہجے میں دل کی بھڑاس نکالتے ہوئے سارا ملید ولید حسین کے سر ڈال دیا۔

”واہ افشاں بیگم واہ! اپنا مستقبل ڈر بے نما کرے اور اسٹور روم اولڈ ہوم جیسی جگہوں پر خوار ہوتا نظر آ رہا ہے تو کیسے تم نے پیسٹر بدل لیا۔ تم دونوں عورتوں نے فساد پھیلا کر گھر بکوا کر اپنا جرم ہمارے سر ڈال دیا ہے بہت خوب..... ٹھیک کہتے تھے بزرگ عورت کی زبان میں ان کے گھر کا بسا اور اجڑنا پوشیدہ ہوتا ہے۔“ ولید حسین نے حیرت اور تاسف سے انہیں دیکھتے ہوئے تلخ و طنزیہ لہجے میں کہا تو وہ چوروں کی طرح نظریں چراتے ہوئے بولیں۔

”ہاں ٹھیک ہے سارا تصور میرا اور فریال کا ہی ہے بس اب اس مسئلے کو حل کرنے کا سوچیں ورنہ مرتے دم نہ ہمارے منہ میں پانی ڈالنے والا کوئی ہوگا نہ ہی ہمارے جنازے کو کندھا دینے والا کوئی ملے گا۔“

”اب ایسا بھیا تک نقشہ بھی مت کھینچو ایسا کون سا گناہ کر دیا ہم نے۔“ ولید حسین تلملا کر بولے۔

”والدین کو دکھ دینے سے بڑا گناہ ہے کوئی؟“

”تو یہ سبق تمہیں اب کیوں یاد آ رہا ہے؟ کل تک تو تم یہ سب کرنے میں حق بجانب تھیں آج اپنے انجام سے خوف زدہ ہو گئیں تو تمہیں قرآن حدیث سب یاد آنے لگیں۔“ ولید حسین نے طنزیہ لہجے میں کہا تو وہ بولیں۔

”وہ کہتے ہیں نا جب جاگو جی سویرا صبح کا بھولا شام کو گھر لوٹ آئے تو اسے بھولا نہیں کہتے۔ تو بے کادروانہ کبھی بند نہیں ہوتا معافی کا وقت تب تک رہتا ہے جب تک سانس چلتی رہتی ہے۔ ائی اباجی سے معافی مانگ لیتے ہیں ہم۔“

”معافی مانگ لینے سے سب پہلے جیسا ہو جائے گا کیا؟“

”وہ ماں باپ ہیں جب ہماری خاطر اپنا گھر بیچ سکتے ہیں تو ہمیں معاف بھی کر سکتے ہیں اور وہ معاف بھی

کر دیں گے مگر یہ سب ہو جانے سے سب ٹھیک نہیں ہوگا کیونکہ امی ابا تو اب بھی کسی سے کچھ نہیں کہتے۔“

”یہ تو اور بھی برا ہے ہمارے حق میں اللہ ہمیں معاف نہیں کرے گا کہ وہ ماں باپ جو ہمارے منہ سے نکلی ہر فرمائش اور خواہش پوری کیا کرتے تھے وہ ہماری ناراضگی اور غصے کے ڈر سے ہم سے اپنی ضرورت اور تکلیف بھی بیان نہیں کرتے پلینز کچھ کریں میرا تو دل گھبرا رہا ہے۔“ افشاں سنجیدہ اور خدشوں سے لہجے میں بولیں۔

”اچھا اب بس کرو ایک کپ اچھی سی چائے پلا دو میرے سر میں درد ہونے لگا ہے۔“ ولید حسین نے بیزارگی سے اور جھنجھلاہٹ میں کہا۔

”اچھا لاتی ہوں چائے۔“ افشاں اٹھ کر ان کے لیے چائے پکانے چلی گئی اور ولید حسین اپنا نچلا ہونٹ دانتوں میں دبائے سوچوں میں گم ٹہلنے لگے۔

○.....○.....○

ادھر منال دادی دادا کے لیے افسردہ ہو رہی تھی اور اسے خود پر بھی غصا آ رہا تھا کہ وہ نونہل حمزہ اور انس اب تک چپ کیوں تھے؟ جب دادا دادی کا بوا راہور ہا تھا ان کے برسوں کے ساتھ کا بوا راہور ہا تھا تو وہ سب بالغ اور باشعور ہوتے ہوئے بھی کیوں خاموش رہے؟ کیا انہیں علیحدہ رہنے میں اپنا اپنا فائدہ نظر آ رہا تھا؟ جو بھی تھا ان چاروں کا بھی تصور تھا کہ وہ بے پروا بے حس اور بے نیاز بنے ہوئے تھے اب تک۔

”یہ جو بوڑھے ہوتے ہیں ناں ہمارے گھر میں یہ مہمان کی طرح ہوتے ہیں جیسے جب ہمارے گھر میں مہمان آتے ہیں تو ہم ان کے لیے بہت اچھے اچھے کھانے پکاتے ہیں ان کے لیے گھر کا سب سے صاف ستھرا کمرہ منتخب کرتے ہیں اچھا سا بستر بچھاتے ہیں ان کے لیے اور ان کے آرام کا پورا خیال کرتے ہیں یہ دھیان رکھتے ہیں کہ کہیں وہ بے آرام نہ ہوں ان کی نیند میں خلل نہ پڑے ایسا ہی ہے ناں۔“ نسیم بیگم حمزہ سے مخاطب تھیں اچانک اپنی بات کے آخر میں پوچھنے لگیں تو حمزہ

نے فوراً ثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔

”جی بالکل صحیح کہا دادی آپ نے ایسا ہی ہوتا ہے۔“

”ہاں تو بس بیٹا، ہم نے بھی اسی طرح اپنے بوڑھے

ماں باپ اور ساس سسر کا خیال رکھا، جس طرح مہمان کو

رحمت کہا جاتا ہے ماں بالکل اسی طرح بوڑھے والدین بھی

رحمت و نعمت ہوتے ہیں ان کے دم سے گھر میں برکت

رہتی ہے اس لیے گھر کے بوڑھوں کا بھی ایسے ہی خیال

رکھنا چاہیے جیسے گھر میں آئے مہمانوں کا خیال رکھا جاتا

ہے، مہمان بھی چند دن کے لیے آپ کے گھر آتے ہیں

اور بوڑھے ماں باپ بھی مہمان ہوتے ہیں اس لیے ان

کی خدمت کر کے ان کا خیال رکھ کے اولاد اپنے لیے اپنی

آخرت سنوار سکتی ہے، جنت تک جانے کے راستے ہموار

کر سکتی ہے ہماری ماں نے ہمیں یہی کہانی سنائی تھی اور عملاً

بھی انہوں نے ہمیں ایسا ہی کر کے دکھایا اور الحمد للہ ہم نے

بھی اپنے ماں باپ کی دل سے خدمت کی اور انہوں نے

ہمیں دل سے دعائیں دیں۔“ نسیہ بیگم نے بہت رمان

سے کہا۔

”لیکن آپ کی اولاد نے آپ کے ساتھ ایسا کیوں

نہیں کیا؟“ حزرہ نے بہت چبھتا ہوا دل دکھانے والا سوال

کیا۔ فریال کچن میں سبزی کاٹتے ہوئے ان کی باتوں کی

طرف کان لگائے کھڑی سب سن رہی تھیں۔

”بیٹا یہ تو سمجھنے اور احساس کرنے کی بات ہے بعض

اوقات انسان سمجھنے احساس کرنے میں بہت دیر کر دیتا

ہے اتنی دیر کہ تب نہ وقت اس کے ہاتھ میں رہتا ہے اور

نہ ہی والدین..... بس پچھتاوا باقی بچتا ہے جو انسان کو

ساری زندگی بے سکون رکھتا ہے۔“ نسیہ بیگم نے نہایت

سنجیدگی سے جواب دیا تو کچن میں کام کرتی فریال کے

ہاتھ تیز تیز چلنے لگے پتا نہیں کیسی پریشانی تھی شرمندگی

تھی بے چینی وہ بے کلی تھی بس وہ تیزی سے سوچوں کے

جال بن رہی تھیں۔

کئی دن ہفتے یونہی کشمکش میں گزر گئے اچانک دونوں

گھروں میں مکان خالی کرنے کا شورا اٹھا۔

”منال تم اپنی دادی کا سامان پیک کر دو تین دن میں

یہ گھر خالی کرنا ہے ہمیں۔“ فریال نے نسیہ بیگم کے ساتھ

بیٹھ کر بیوی دیکھتی منال کو مخاطب کر کے کہا تو ان دونوں

نے چونک کر فریال کی طرف دیکھا۔

”گھر خالی کرنا ہے مگر کیوں بہو؟“ نسیہ بیگم نے

حیرانی پریشانی سے انہیں دیکھتے ہوئے پوچھا تو وہ بولیں۔

”پتا نہیں آپ کے بیٹے کو پیسوں کی ضرورت تھی سو

انہوں نے یہ گھر بیچ دیا۔“

”پھر سے گھر بیچ دیا یہ بار بار گھر بیچنا اچھی بات نہیں

ہے بیٹا اب ہم کہاں جائیں گے؟“ نسیہ بیگم نے تشویش

سے پوچھ لے کر کہا۔

”بھئی بھئی گھر بچانے کے لیے گھر بیچنا بھی بڑا جاتا

ہے امی جی آپ پلینز اپنا سامان اکٹھا کر لیں۔“ فریال

سنجیدگی سے اپنی بات مکمل کر کے وہاں سے چلی گئیں۔

نسیہ بیگم نے حیرت سے منال کی طرف دیکھا تو اس نے

لا علمی کا اظہار کرنے والے انداز میں اپنے کندھے

اچکا دیئے۔

○.....○.....○

”دادا جان آپ نے اور دادی جان نے کبھی اپنی

سا لگرہ منائی ہے؟“ نوفل انہیں کوٹ پہناتے ہوئے

پوچھ رہا تھا۔

”ہاں بیٹا ایک بار منائی تھی تمہاری دادی کی سا لگرہ وہ

بھی اس وقت جب ہماری نئی نئی شادی ہوئی تھی تب اس

کے بعد اپنے بچوں اور ان کے بچوں کی سا لگرہ ہی منائی

ہے آج تک اور شکر ہے اللہ کا کہ اس نے ہمیں اپنے بچوں

اور ان کے بچوں کے سا لگرہ کا دن دیکھنے اور منانے کی

نعمت سے نوازا اور نہ ہم گنہگار تھی راتوں راتوں اور عنایتوں کے

قابل کہاں تھے یہ سب اس کا کرم ہے۔“ وحید حسین نے

مسکرا کر دھیمے پن سے جواب دیا۔

”ہوں چلیں دادا جان آپ ریڈی ہیں اور ماشاء اللہ

بہت گریس فل دکھائی دے رہے ہیں۔“ نوفل نے انہیں

سر سے پاؤں تک دیکھتے ہوئے سراہا۔

”میاں صاحبزادے! یہ اتنی مہنگائی میں اتنا مکھن کس خوشی میں لگایا جا رہا ہے؟“ وہ ہنس کر بولے۔
”گھر چھوڑنے کی خوشی میں۔“

”کیا مطلب؟“

”مطلب یہ کہ ہم یہ گھر چھوڑ رہے ہیں کسی اور جگہ شفٹ ہوں گے اب ہم مجھے یہ گھر ویسے بھی پسند نہیں تھا کتنے چھوٹے کمرے ہیں ناں اس کے؟“ نوفل اپنی رو میں بول رہا تھا اور وحید حسین ہکا بکا کھڑے اس کا منہ تک رہے تھے۔

○.....○.....○

”اچھا دادا جان! یہ بتائیں کہ اگر آپ دادی جان کو سالگرہ کا تحفہ دیتے تو کیا دیتے؟“
”اپنا آپ دیتے..... بھلا ہم سے قیمتی اور اچھا تحفہ ان کے لیے کوئی ہو سکتا ہے کیا؟“ وحید حسین شوخ لہجے میں مسکراتے ہوئے بولے۔

”ہوں یہ تو آپ نے درست فرمایا دادا جان اینڈ ویری رومینک ٹو۔“ نوفل شرارت سے مسکراتے ہوئے بولا تو وہ شرما کر ہنس دیے۔ نوفل نے دیکھا ان کے سفید چہرے میں ہلکی سی سرخی ابھرا آئی تھی۔ وہ بھی مسکرا دیا۔

”چلیں دادا جان! میں آپ کو اپنے دوست کی سالگرہ میں لے جا رہا ہوں۔“ نوفل نے ان کا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا۔

”ارے صاحبزادے! میں آپ کے دوست کی سالگرہ میں جا کر کیا کروں گا؟“

”وہی جو باقی سب کریں گے۔“

”نہیں بھئی! ہم نہیں جا رہے آپ جائیے۔“

”سوچ لیں دادا جان! آپ نہیں جائیں گے تو میں ناراض ہو جاؤں گا آپ سے۔“ نوفل نے روٹھا روٹھا سا انداز اپناتے ہوئے انہیں دھمکایا تو مان بھرا انداز تھا وحید حسین فوراً ہی موم ہو گئے۔

”ارے بھئی ناراض مت ہو چلو چلتے ہیں بچوں کی تقریب میں دیے بوڑھوں کا کوئی کام بننا نہیں ہے۔“

”آپ ہی تو کہتے ہیں کہ بچے اور بوڑھے ایک سے ہوتے ہیں۔ ایک ہی پتھر کے ہوتے ہیں۔“ نوفل نے انہیں یاد دلایا۔

”ہاں بھئی آپ تو بات پکڑ لیتے ہیں اور ہم ہی پر چڑھائی شروع کر دیتے ہیں۔ چلیے ہمیں بھی بہت عرصہ ہو گیا گھر سے نکلے ہوئے اسی بہانے ہم بھی رونقیں دیکھ لیں گے دنیا کی۔“ وحید حسین نے تیزی سے کہا اور باہر کی جانب بڑھ گئے نوفل بھی ان کے پیچھے ہولیا۔

”ساری زندگی محنت کرتے لوگوں کے بچوں کو بڑھاتے، سکھاتے اپنے بچوں کو تعلیم دلاتے پڑھاتے ان کی خوشیاں پوری کرتے مگر زنگنی جب آرام کا وقت آیا بچوں کی خوشیاں دیکھتے ان سے خدمت کرانے کا وقت آیا تو بچے بدل گئے! ہم تمام عمر ساری جوانی اپنی اولاد کے لیے کوشاں رہے، بچوں کے بارے میں اپنے بچوں کے منہرے مستقبل کے بارے میں سوچتے رہے مگر جب ہمارا وقت آیا تو بچوں نے ہمارے بارے میں ہمارے مستقبل کے بارے میں کبھی سوچا ہی نہیں! جن بچوں کے لیے ہم کل اپنا آرام بھول جاتے تھے وہ بچے آج بھی ہمارے آرام کا خیال نہیں رکھتے۔ سوچا تھا جب سب بچے اپنی اپنی زندگیوں میں سیٹ ہو جائیں گے تو میاں بیوی بھی گھومنے پھرنے سیر کرنے جائیں گے عمرہ کرنے جائیں گے، لیکن شومئی قسمت کے ہم میاں بیوی تو ایک ساتھ ایک چھت تلے رہ بھی نہیں سکتے۔ عمر بھر کی محنت نے اتنا نہیں تھکایا جتنا سال بھر کی اس جدائی، تنہائی اور ابلہ پائی نے تھکا ڈالا ہے۔ شریک زندگی ہی زندگی کے لحوں میں اب شریک نہیں تو کیسی خوشی! کیسی زندگی؟ بس وقت گزاری کے مشغلے ہیں سب۔“ وحید حسین سوچوں میں گمن بیٹھے تھے فرنٹ سیٹ پر نوفل ان کی خاموشی سے بہت کچھ سمجھ رہا تھا۔ وہ پھول لینے کے لیے رکا تو وحید حسین نے دو تازہ گجرے بھی خرید لیے۔

”یہ کس کے لیے؟“ نوفل نے گجرے دیکھتے ہوئے ان سے پوچھا۔

”ہاں ہم پہنچ گئے ہیں ایک ساتھ اینٹری دینی ہے ریڈی رہو۔“ منال نے نوفل کو موبائل پر کال کر کے اسی دوران کہا تھا نسیہ بیگم نے چونک کر اس کی طرف دیکھا اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتیں یا پوچھتیں ہال کے اندر سے کافی ساری آوازوں کے ایک سنگم میں گنتی گنتی جانے لگی۔ ”فور تھری ٹو ون۔“ اور ون کی آواز کے ساتھ ہی منال، نسیہ بیگم کا اور دوسرے دروازے سے نوفل وحید حسین کا ہاتھ تھا ہے ایک ساتھ ہال میں داخل ہوئے اور ان پر پھولوں اور چمکیلی پٹیوں کی برسات ہونے لگی اور ساتھ ہی پیسی ویڈنگ اینیورسری کا نغمہ سب کی آواز میں سریلی لے کے ساتھ گایا جانے لگا۔

وحید حسین، نسیہ بیگم اس انہونی پر حیرت زدہ اور ششدر رہ گئے۔ ان کے دونوں بیٹے دونوں بہوئیں اور پوتے پوتی سب وہاں موجود تھے اور ان کی شادی کی 43 ویں سالگرہ پر انہیں خوشدلی سے مبارک باد دے رہے تھے۔ حیرت و مسرت سے ان کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

نسیہ بیگم اور وحید حسین ایک دوسرے کو کتنے مہینوں بعد دیکھ رہے تھے آنکھوں میں کتنی پیاس و بے چینی تھی اور یوں اچانک سے مل جانے کی انوکھی خوشی تھی جو بیان سے باہر تھی۔ منال اور نوفل ان دونوں کو ایک دوسرے کے قریب لے آئے اور ان کے ہاتھ جو انہوں نے اب تک پکڑ رکھے تھے وہ دادا دادی کے ہاتھ میں تھما دیئے۔

”ایسا اکثر ہماری فلموں میں ہوتا ہے لیکن یہ حقیقت میں ہو رہا ہے آج ہم حقیقی زندگی کے ہیر اور ہیر وٹن کو ایک سال کی جدائی کے بعد پھر سے مل رہے ہیں اب انہیں کوئی جدا نہیں کر سکتا، ہم سب میں سے کوئی دادا دادی کو اب الگ نہیں کر سکتا۔ تالیاں۔“ نوفل نے بہت اسٹائل سے کہا تو سب نے ہر جوش انداز میں تالیاں بجا کر اس کی بات کی تائید کی۔

نسیہ بیگم اور وحید حسین اپنے بیٹوں کی اس کایا پلیٹ پر حیران و شادمان تھے۔ ان کی آنکھیں خوشی کے موتی لٹا

”تمہاری دادی کو بہت پسند ہیں گجرے عمر بھر کی واحد فرمائش ان کی یہی ہوتی تھی اور میں بھی ہر روز شام کو ٹیوشن یا عصر کی نماز سے واپسی پر ان کے لیے گجرے لایا کرتا تھا اور اپنے ہاتھوں سے انہیں پہناتا تھا اور وہ نیک بخت ایسے خوش ہوتی تھی جیسے قارون کا خزانہ مل گیا ہو اور میں اسے خوش دیکھ کر مسکراتا اور اپنی ساری تحسین بھول جایا کرتا تھا۔“ وحید حسین پرانی یادوں کے سفر پر نکل رہے تھے اور نوفل ان کی کیفیت، حالت اور بے بسی محسوس کرتے ہوئے بے کل ہو رہا تھا۔

”لیکن ابھی تو ہم دادی کے گھر نہیں جا رہے۔“ ”تو کیا ہوا؟ ان کی یادوں کی مہک تو ہمارے ساتھ ساتھ ہے ناں ان گجروں کو دیکھ کر سوئچہ کر ہم انہیں اپنے قریب محسوس کریں گے۔ چلو تمہارا دوست انتظار کر رہا ہوگا۔ ایسا نہ ہو کہ کیک کٹ کر بٹ بھی جائے اور ہم منہ دیکھتے رہ جائیں۔ میں کہے دیتا ہوں کیک کھائے بغیر نہیں آؤں گا وہاں سے۔“ وحید حسین نے اپنا موڈ خوشگوار بناتے ہوئے کہا۔

”اوکے گرینڈ پا چلیے۔“ نوفل ہنس دیا اور گاڑی میں بیٹھ کر انہیں ہٹھا کر گاڑی پھر سے اسٹارٹ کر دی۔

منال دادی کو اپنی دوست کی سالگرہ میں لے جانے کے لیے تیار کرتی انہیں ایک حویلی نما مکان میں لے آئی تھی اور گھر دکھانے کے بہانے وہ شدت سے نوفل کا بھی انتظار کر رہی تھی۔

”ارے بیٹی کسی کے گھر میں ہم کیوں یوں دندناتے پھر رہے ہیں یہاں تو کوئی بھی نہیں ہے اور چونکدار نے ہمیں مہمان سمجھ کر اندر آنے دیا ہوگا اس کا یہ مطلب تھوڑی ہے کہ ہم پورے گھر میں گھومتے پھریں۔ چلو بس واپس گھر چلو تم تو کسی سالگرہ میں لے جا رہی تھیں مجھے اور یہاں لے آئیں۔“

”ہاں تو یہاں ہی تو ہے سالگرہ آپ آئیں تو میرے ساتھ۔“ منال نے ان کا ہاتھ پکڑ کر ڈانٹنگ ہال کی طرف بڑھ گئی۔

”یا اللہ تیرا شکر ہے۔“

”اباجی! امی جی ہمیں معاف کر دیں، ہم سب آپ دونوں سے بہت شرمندہ ہیں، ہم نے آپ دونوں کی محبتوں اور عنایتوں کی قدر نہیں کی، لیکن اب ہمیں احساس ہو گیا ہے کہ ہم بہت خود غرض اور بے حس ہو گئے تھے ان شاء اللہ آئندہ آپ دونوں کو ہم سے شکایت نہیں ہوگی۔“ افشاں نے انہیں دیکھتے ہوئے کہا تو نوفل نے آنکھوں کے اشارے سے منال کی توجہ دلائی، دراصل وہ اسے اپنی کارکردگی دکھانا چاہ رہا تھا جس کی وجہ سے آج افشاں بیگم اپنے ساس، سر کے سامنے اپنی غلطیوں اور خود غرضیوں کا اعتراف کرنے پر مجبور ہو گئی تھیں۔ منال نے بھی اسے انگوٹھے کے اشارے سے گد کا اشارہ دیا، وہ اور بھی کھل کر مسکرانے لگا تھا۔

”بھئی شکایت تو ہم نے تم لوگوں سے پہلے بھی کبھی نہیں کی تھی وہ تو تم سب کو ہم دونوں سے شکایت رہنے لگی تھی۔“ وحید حسین نے رسانیت سے کہا تو وہ چاروں شرمندہ ہو گئے۔

”سوری! اباجی۔“ فریال نے دبی دبی آواز میں کہا تو حمزہ وحید حسین کے کان کے قریب اپنا منہ کر کے آہستگی سے بولا۔

”دادا جان! جلدی سے معاف کر دیں، ایسا نہ ہونچ کے بھولے پھر سے گھر کا رستہ بھول جائیں۔“

”ایسا نہیں ہوگا۔“ وحید حسین اپنی بھاری آواز میں بولے۔ تو ولید حسین، نوید حسین، فریال اور افشاں نے شیشا کر انہیں دیکھا۔

”جی۔“ فریال کے منہ سے نکلا۔

”کچھ نہیں میں حمزہ کی بات کا جواب دے رہا تھا اور رہی بات معافی کی تو اگر آپ سب کو احساس ہو گیا ہے تو معافی کی ضرورت ہی نہیں رہ جاتی آپ سب خوش رہیں، آباد رہیں اور ہماری نظروں کے سامنے اکٹھے رہیں اور ہمیں کیا چاہیے۔“ وحید حسین نے مسکراتے ہوئے کہا تو وہ سب خوش ہو کر تالیاں بجانے لگے۔

رہے تھے۔

”دادا جان! دادی جان!..... اب آپ بالکل نہیں روئیں گے اور ہمیشہ ساتھ رہیں گے ایک گھر میں، ایک چھت کے نیچے، جو سب سے بڑا کمرہ آپ کو دکھایا تھا، ہم نے آپ کو پسند بھی آیا وہ کمرہ آپ دونوں کا ہے۔“ منال نے مسکراتے ہوئے ان دونوں کو خوشی سے دیکھتے ہوئے کہا تو وہ ایک دوسرے کو حیرت سے تنکے لگے۔

”کیا مطلب یہ گھر تم لوگوں نے خرید لیا ہے کیا؟“ وحید حسین نے لہجہ میں حیرت سموائے ان سب کو دیکھتے ہوئے استفسار کیا۔

”جی! اباجی!..... یہ گھر ہم نے خرید لیا ہے اور اپنے وہ گھر ہم نے فروخت کر کے یہ گھر خریدا ہے اب ہم سب پہلے کی طرح ایک ساتھ رہیں گے اس گھر میں۔“ ولید حسین نے قدرے شرمندگی سے کہا۔

”سچ بیٹا؟“ نسیہ بیگم نے تحیر سے آنکھیں پھیلانیں۔

”جی! امی جان! اس گھر کے اوپر والے پورشن میں نوید اپنی فیملی کے ساتھ رہے گا اور نیچے والے پورشن میں ہم سب رہیں گے اور سب ایک ہی میز پر کھانا کھائیں گے ویسے ہی رہیں گے جیسے پہلے رہتے تھے۔“ ولید حسین نے مزید کہا تو وہ کہنے لگیں۔

”پہلے کی طرح جھگڑو گے تو نہیں تم دونوں؟“

”ارے نہیں دادی جان! مجال ہے جو یہ اب جھگڑیں گے۔ بجلی، گیس کے کنکشن علیحدہ علیحدہ ہیں دونوں پورشنز کے اور سب اپنا خرچ مطلب اپنی فیملی کا خود ہی اٹھائیں گے کچن بھی دو ہیں دونوں جگہ کھانا لگ پکایا جائے گا لیکن سب کے ساتھ ایک ہی میز پر کھایا جائے گا اور آپ اور دادا جان، ہم سب کی مشترکہ فرض اور ذمہ داری ہیں ہم سب آپ دونوں کا خیال رکھیں گے اگر آپ کو کسی بھی چیز کی ضرورت ہو تو آپ بنا شرمائے گھبرائے اور بلا جھجک ہمیں حکم دیجیے گا۔“ منال نے مسکراتے ہوئے کہا تو ان دونوں کی زبان سے ایک ساتھ کلمہ شکر ادا ہوا تھا۔

مغربی ادبی ادبی کی منتخب کہانیاں کا مجموعہ



ادبی ادبی کے موضوع پر ہر ماہ منتخب ناول
مغربی ادبی کے موضوع پر ہر ماہ منتخب ناول

شائع ہو گیا

مغربی ادب سے انتخاب
جرم و سزا کے موضوع پر ہر ماہ منتخب ناول
مختلف ممالک میں پلنے والی آزادی کی تحریکوں کے پس منظر میں
معروف ادیبوں کی قلم سے نکلے ناول
ہر ماہ خوب صورت تراجم دیس دیس کی شاہکار کہانیاں

اس کے علاوہ

خوب صورت اشعار منتخب غزلوں اور اقتباسات پر مبنی
خوشبوئے سخن اور ذوق آگہی کے عنوان سے مستقل سلسلہ

اور بہت کچھ آپ کی پسند اور آرا کے مطابق

کسی بھی قسم کی شکایت کی
صورت میں

021-35620771/2

0300-8264242

”ہاں اور بچو..... تم سب وہ سب مت کرنا جو
تمہارے ماں باپ نے کیا۔ زندگی چند روزہ ہے اسے
محبتوں اور خوشیوں کے ساتھ گزارنا چاہیے نہ کہ جھگڑوں
اور جدائیوں میں ضائع کرنا چاہیے۔“ نسیہ بیگم نے نوفل
منال، حمزہ اور انس کو دیکھتے ہوئے نصیحت کی تو وہ سب
ایک آواز ہو کر بولے۔

”جی دادی جان۔“

”امی جان..... آپ انہیں کیا سمجھا رہی ہیں یہ چاروں
تو خود عقل کے بادشاہ ہیں۔“ ولید حسین نے کہا تو فریال
بھی کہنے لگیں۔

”ہاں بالکل ہمیں ہماری غلطیوں کا احساس ان
چاروں نے ہی تو دلایا ہے۔“

”اور کیا یہ سب ان چاروں کے دماغ کی پلاننگ تھی
کہ ہم ایسا گھر خرید سکے اور یہ سب اہتمام بھی ان کی ہی
محبتوں اور صلاحیتوں کا نتیجہ ہے۔ ہم سے تو ہمارے بچے
ہی اچھے نکلے۔“ نوید حسین نے مزید انکشاف کیا تو وہ
چاروں خوشی سے پھولے نہیں سارے تھے اور وحید حسین
اور نسیہ بیگم انہیں حیرت و مسرت سے دیکھ رہے تھے۔

”جیتے رہو میرے بچو..... اللہ تمہیں زندگی کا ہر سکھ اور
کامیابی اور نیک نامی نصیب کرے، صحت و تندرستی والی
زندگی جیو آمین۔“ نسیہ بیگم نے ان چاروں کو پیار کرتے
ہوئے دعا دی۔

”آمین۔“ وحید حسین نے کہا۔

”دادا جان دادی کو گھرے تو پہنا دیں جو آپ نے ان
کے لیے خریدا ہے تھے۔“ نوفل نے شوخ لہجے میں کہا تو
نسیہ بیگم جھینپ سی گئیں۔

”ہاں میاں خوب یاد دلایا تم نے گھرے یہ رہے۔“
وحید حسین نے چونکتے ہوئے کہا اور اپنے کوٹ کی جیب
سے گھرے نکال لیے۔

”آئیں اباجی، امی جی، کیک کاٹیں۔“ ولید حسین
انہیں پکڑ کر میز کے قریب لے آئے، میز پر بڑا سا کیک
سجا ہوا تھا جس پر شادی کی 43 ویں سالگرہ مبارک لکھا

اسلام علیکم!

ہمیں اپنے Blog Kitabdost

<http://kitabdostpk.blogspot.be>

اور readingpoint

<http://readingpointpk.blogspot.be>

کے لیے لکھاریوں کی ضرورت ہے جو ہمارے لیے ناولز

لکھ سکیں جو خواتین و حضرات شوقین ہیں وہ

ہمیں اپنی تحریر (ناول، ناولٹ، افسانہ قسط وار ناول)

اس میل آئی ڈی پہ سینڈ کر سکتے ہیں

maisrasultan@gmail.com

فیس بک پہ بھی اس میل کے ذریعے رابطہ کریں

ہوا تھا اور کھانے پینے کے بہت سے لوازمات بھی میز پر موجود تھے۔

”بسم اللہ الرحمن الرحیم۔“

وحید حسین نے بسم اللہ پڑھی اور چھری پکڑ کر کیک پر رکھی اور نسیہ بیگم نے بھی ان کے ہاتھ کو پکڑ کر ان کے ساتھ کیک کاٹا۔ سب نے خوش ہو کر تالیاں بجائیں انہیں مبارک باد دی اور انہوں نے اپنے ہاتھ سے ان سب کو کیک کھلایا سب کی طرف سے انہیں تحائف بھی پیش کیے جا رہے تھے۔ نوفل اپنی پلیٹ میں کیک اور پیزا لیے سائیڈ پر کھڑی منال کے پاس چلا آیا۔

منال نے بلکے گلابی رنگ کی لوگ فرائڈ اور چوڑی دار پجامہ پہن رکھا تھا دوڑے اور فرائڈ پر بہت نفیس کام کیا گیا تھا۔ بلکے میک اپ اور ہلکی سی گلابی لپ اسٹک ہونٹوں پر لگائے پاؤں میں گلابی اسٹاکش جوتے پہنے خوشبو سے ملبہتی وہ سیدھی اس کے دل میں اتری جا رہی تھی۔

”کتنے خوش ہیں دادا دادی۔“ نوفل نے ان کی جانب دیکھتے ہوئے کہا تو وہ بھی ان پر ہی نظریں جمائے مسکراتی بولی۔

”ہاں اور شکر ہے کہ ہم یہ کر سکتے گھر واقعی پیار سے بنتے ہیں اعتبار سے قائم رہتے ہیں پیسے سے تو صرف مکان بنتے ہیں اور ٹوٹ جاتے ہیں بنوارے ہو جاتے ہیں گھروں کے بھی اور رشتوں کے بھی۔“

”ٹھیک کہتی ہو منال ہم اپنے بچوں کی تربیت بہت اچھی کریں گے انہیں والدین کے حقوق بزرگوں کا احترام کرنا ان کا خیال رکھنے کی تربیت دیں گے اپنی ذمے داریاں نبھانے کا سبق سکھائیں گے انہیں اپنے عمل سے سکھائیں گے ماں باپ کی خدمت کرنا کتنے ثواب کا کام ہے اور ان پر فرض بھی ہے کہ اپنے والدین کا اسی طرح ان کے بڑھاپے میں خیال رکھیں جس طرح انہوں نے ان کے بچپن اور جوانی میں ان کا خیال رکھا تھا۔“ نوفل نے کیک کھاتے ہوئے کہا۔

”ان شاء اللہ ہمارے بچے ہمارے ساتھ وہ سلوک

نہیں کریں گے جو ہمارے پیرنس نے اپنے پیرنس کے ساتھ کیا اور ہم بھی ایسے تو نہیں ہیں نوفل ہم اپنے پیرنس کے ساتھ یہ سب نہیں کریں گے۔“ منال نے اس کو دیکھ کر نرم اور مدہم لہجے میں کہا باقی سب کھانے پینے اور شور مچانے میں مگن تھے۔

”ہاں منال لیکن ہمارے تمہارے والد صاحبان کی تربیت بھی تو گرینڈ پا اور گرینڈ ماں نے کی تھی پھر وہ ایسے کیوں ہو گئے؟“ نوفل نے سنجیدگی سے پوچھا۔

”اپنی بیویوں کی وجہ سے ہو گئے کیونکہ ان کی تربیت دادا دادی نے نہیں کی تھی۔ دادا دادی کی بہوؤں نے انہیں اپنے رنگ میں رنگنا شروع کر دیا انہیں اپنے ماں باپ سے بدگمان اور بدظن کرنا شروع کر دیا اور بالآخر انہیں ان سے الگ کر بھی دیا لیکن صد شکر کہ ہم نے عقل سے کام لے کر یہ معاملہ آج ختم کر دیا بہتر حل نکال لیا ہم نے۔“ منال نے سنجیدہ مگر مدہم لہجے میں کہا تو تائید کرتا ہوا کہنے لگا۔

”سچ ہی کہتے ہیں کہ ایک عورت کی اچھی تعلیم و تربیت پورے خاندان کو سنواری بناتی اور سب جانی ہے گھر کی بہتری کا باعث ہوتی ہے اور اگر تربیت صحیح خطوط پر نہ کی جائے تو وہی عورت پورے خاندان کی بربادی کا باعث بن جاتی ہے ہر وقت فتنہ فساد پکڑے رکھتی ہے گھر میں۔“

”ہوں۔“ منال نے جوں کا توں کاسپ لیا۔

”ویسے ہم نے ماما پاپا دادا دادی بننے تک کی پلاننگ تو ڈس کس کر لی ہے اب تھوڑا سا شرمابھی لو۔“

”کیوں؟“ نوفل کے شوخ و شریر انداز پر منال نے اسے بھنویں سکیڑ کر دیکھا۔

”بھئی لڑکیوں کو شرمانا چاہیے ایسی باتیں سن کر۔“

”اور لڑکوں کو شرم آنی چاہئے ایسی باتیں لڑکیوں سے کرتے ہوئے۔“ منال نے فٹ سے جواب دیا تو وہ ہنسنے لگا۔

”ادھر آؤ تم دونوں۔“ افشاں نے ان دونوں کو دیکھتے ہوئے بلند آواز میں کہا تو دونوں تیزی سے ان

کے قریب آگئے تب افشاں ان دونوں کو وحید حسین کے قریب لے آئیں۔

وحید حسین مسکرائے خوشی سے ان کی آواز میں بھی کھنک سی آگئی۔

”بیٹا تم دونوں نے ہمیں آج ہماری شادی کی سالگرہ کے دن ملن کا تحفہ دیا ہے تو ہم سوچ رہے ہیں کہ ہم بھی تم دونوں کو ملن کا تحفہ دے کر تمہارا شکریہ ادا کریں۔“ وحید حسین نے نوفل اور منال کو اپنے دائیں بائیں اپنے بازوؤں کے حلقے میں لے کر مسکراتے ہوئے کہا سب ان کی طرف دیکھ کر مسکرا رہے تھے۔

”وہ کیسے دادا جان؟“ منال نے نا سنجی کے عالم میں انہیں دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

”بھئی نوید ولید افشاں اور فریال بیٹی اگر میں تمہارے بچوں کے بارے میں کوئی فیصلہ کروں تو تمہیں کوئی اعتراض تو نہیں ہوگا؟“ وحید حسین نے ان چاروں کی جانب نگاہ دوڑاتے ہوئے پوچھا۔

”نہیں اباجی..... سیآپ کے بھی تو بچے ہیں آپ کو پورا حق ہے ان کے متعلق کوئی بھی فیصلہ کرنے کا۔“ ولید حسین بولے تو وہ مسکرا کر اثبات میں سر ہلا کر کہنے لگے۔

”جیتے رہو بیٹا میں نے اور تمہاری ماں نے سوچا ہے کہ کیوں ناں نوفل اور منال کی مگنی کر دی جائے۔“

”ہاں بھئی نوفل، مگنی کر دیں تمہاری منال کے ساتھ؟“

”نیک اور پوچھ پوچھ دادا جان مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے اس مگنی پر انگوٹھی آپ مجھے پہنائیں گے یا منال؟“ نوفل خوشی اور خوشی سے بولا تو سب کو ہنسی آگئی۔ منال اس - اچانک اعلان پر ہنستا گئی تھی۔

”لیجیے یہ تو بے تاب ہوئے جارہے ہیں مگنی کی انگوٹھی پہننے کے لیے۔“ وحید حسین نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”تو اباجی، بسم اللہ کیجیے یہ لیس انگوٹھی اور پہنائیں ہماری بہو کو۔“ افشاں نے اپنے ہاتھ کی انگلی سے سونے کی انگوٹھی اتار کر وحید حسین کی طرف بڑھا کر مسکراتے

ہوئے کہا۔

”بیٹی انگوٹھی تو تم ہی پہناؤ منال بیٹی کو۔“ وحید حسین نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”منال سے بھی تو کوئی پوچھے اس کو نوفل اپنے مگنیتر اور مستقبل کے شوہر کے طور پر قبول ہے کہ نہیں؟“ افشاں نے منال کے برابر بیٹھتے ہوئے کہا تو منال نے اپنے ماما پاپا کی طرف دیکھا مدد طلب نظروں سے۔

”منال بیٹی کو ہم بڑوں کے فیصلے پر کوئی اعتراض نہیں ہے، بھابی آپ انگوٹھی پہنائیں۔“ نوید حسین نے اپنی بیٹی کا جواب اس کی آنکھوں میں پڑھتے ہوئے افشاں سے کہا۔

”یہ.....“ بچہ پارٹی نے خوشی سے شور مچایا۔ افشاں نے منال کے بائیں ہاتھ کی خردلی انگلی میں انگوٹھی پہنا دی۔ دادا دادی نے انہیں مبارک باد اور دعا دی۔ نوفل کی خوشی دیدنی تھی، منال شرمیلے پن سے مسکرا رہی تھی۔ حمزہ تصویریں بنا رہا تھا۔

”ویسے یہ چیٹنگ ہے دادا جان..... یہ سب تو نیم درک تھا اور ملن کا تحفہ صرف نوفل اور منال کے لیے.....“ انس نے اپنا سر کھجاتے ہوئے اس انداز سے کہا کہ سب نے اختیار ہنستے چلے گئے۔ دادا دادی کی سالگرہ کا شادی کی سالگرہ کا یہ دن ان سب کے لیے بہت یادگار اور خوشگوار بن آیا تھا اور آنے والے دنوں کی خوشیوں اور محبتوں کی بنیاد بھی۔ سب کے چہروں پر حقیقی خوشی کے دھنک رنگ بکھرے ہوئے تھے۔

﴿